Was Jesus Sent To The Lost Sheep Of Israel Only

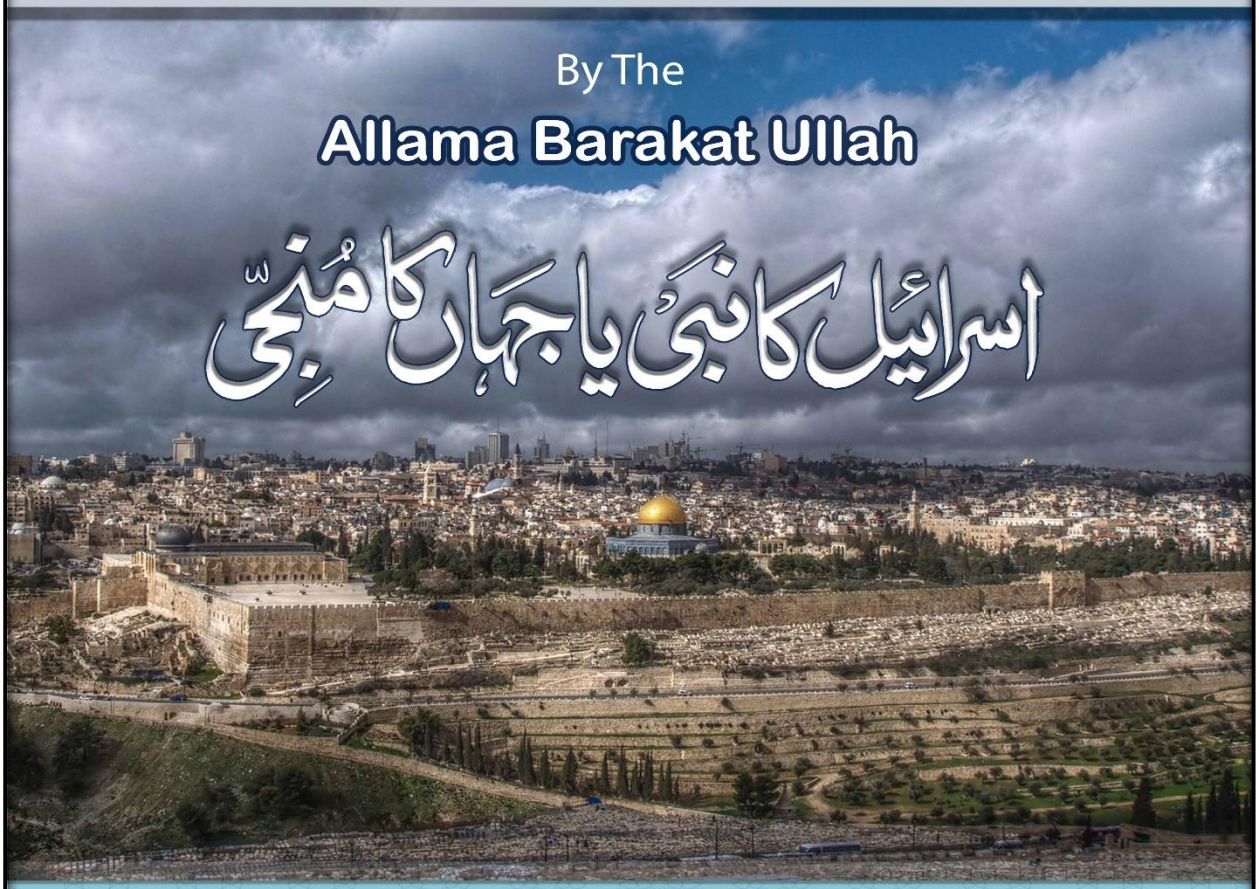

By The

Allama Barakat Ullah

اسرائیل کا نبی یا جہاں کا منجی

علامہ برکت اللہ

1938

WAS JESUS SENT TO THE LOST SHEEP OF ISRAEL ONLY?

BY

Allama Barakat Ullah, M.A.

"میں دنیا کو نجات دینے آیا ہوں" قول المسیح (یوحنا ۱۲:۴۷)

اسرائیل کا نبی

یا

جہان کا منجی؟

مصنف

علامہ برکت اللہ ایم۔اے

۱۹۳۸ء

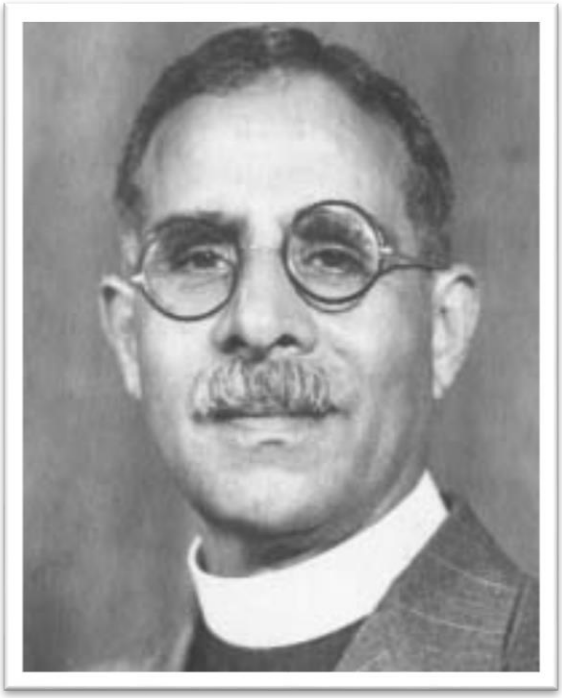

1891-1972

ALLAMA BARAKAT ULLAH, M.A.F.R.A.S

Fellow of the Royal Asiatic Socieity London

شمالی ہندوستان کی کلیسیا

کے

مائہ ناز مصنف۔ عالم بے بدل

زبدۃ المتکلمین۔ امام المفسرین۔ سلطان المناظرین

جناب مولانا پادری سلطان محمد پال صاحب

پروفیسر عربی۔ مشن کالج۔ لاہور

کی خدمت بابرکت میں

یہ ہدیہ

پیش کرتا ہوں

ع گر قبول افتد زہے عز و شرف

علامہ برکت اللہ

فہرستِ مضامین

مضمون	صفحہ
مقدمتہ الکتاب	٦
فصل اول۔ اصول تفسیر	٨
فصل دوم۔ انبیائے اسرائیل کی رسالت کا مطمع نظر اور اہل یہود کا نصب العین	١٠
فصل سوم۔ سیدنا مسیح کے کلماتِ طیبات اور طرزِ عمل	٢٢
فصل چہارم۔ حواریئن کی تحریرات اور طریقِ عمل	٥٤
فصل پنجم۔ مسیحی کلیسیا کا طرزِ عمل	٥٨
فصل ششم۔ قرآن اور مسیحیت کی عالمگیری	٦٢

مقدمتہ الکتاب

چند سال ہوئے مرحوم خواجہ کمال الدین قادیانی نے مسیحیت کی عالمگیری اور بے نظیری پر ایک ایسے نکتہ نگاہ سے حملہ کیا تھا جس کو اگرچہ علمائے مغرب نے بوسیدہ اور مردود قرار دے دیا ہوا تھا لیکن وہ پنجاب کے سادہ لوح طبقہ کے مسلمانوں کے لئے ایک نیا نظریہ تھا۔ مرحوم نے اپنی کتاب میں بزعم خود پادری ڈاکٹر ٹسڈل صاحب کی بے عدیل کتاب "ینابیع الاسلام" کا الزامی جواب دینے کی کوشش کی تھی کہ اگر اسلام مختلف مذاہب سے مرکب ہے تو مسیحیت کے عقائد ورسوم بھی رومی یونانی مذاہبِ باطلہ سے ماخوذ ہیں۔

اس دور میں مے اور ہے جام اور ہے خم اور
ساقی نے بنا کی روش لطف وستم اور

مدت ہوئی جرمنی اور دیگر ممالک مغرب کے مسیحی اور غیر مسیحی علمانے اس نظریہ کو باطل اور بے بنیاد ثابت کر کے اس کی دھجیاں اڑادی تھیں چنانچہ اس حقیقت کو ہم نے اپنی کتاب "نور الہدیٰ" کے دونوں حصوں میں واضح کر دیا تھا اور یہ ثابت کر دیا تھا کہ مسیحیت کے عقائد اور رسوم مذہب اسلام کی طرح ہر گز اساطیر الاولین نہیں ہیں کیونکہ مشرکانہ مذاہب باطلہ کے اعتقادات اور رسمیات میں اور مسیحیت کے اعتقادات اور رسمیات میں زمین آسمان کا فرق ہے اور وہ ایک دوسرے کے عین ضد ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دونوں میں تصادم اور جنگ واقع ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کلُ جہان نے مسیحیت کی بے نظیری اور عالم گیری کا لوہا مان لیا اور کامیابی کا سہرا مسیحیت کے سر پر رہا۔

ع۔ اے تاج دولت بر سرت از ابتدا تا انتہا۔

ہم نے اپنے رسالہ "صحت کتب مقدسہ" میں یہ ثابت کر دیا ہے کہ بائبل شریف کی صحت جس میں مسیحیت کی تعلیم درج ہے ایسی بے نظیر اور اعلیٰ پایہ کی ہے جو کبھی دنیا کے کسی دوسرے مذہب کی کتاب کو نصیب نہیں ہوئی۔ پھر ہم نے اپنے رسالہ "کلمتہ اللہ کی تعلیم" میں یہ ثابت کر دیا ہے کہ یہ تعلیم جس کی صحت کا پایہ اس قدر لاجواب۔ اعلیٰ اور ارفع ہے عالمگیر اصولوں پر مشتمل ہے اور دنیا کے کسی مذہب کی تعلیم اس کے اصول کی بلندی کو نہیں پہنچ سکتی۔ ہم نے اپنے رسالہ "دین فطرت اسلام یا مسیحیت" میں یہ ثابت کر دیا ہے کہ صرف مسیحیت کی تعلیم ہی انسانی فطرت کے تمام تقاضاؤں کو پورا کر سکتی ہے اور کرتی ہے پھر ہم نے اپنے رسالہ "مسیحیت کی عالم گیری" میں یہ ثابت کر دیا ہے کہ صرف مسیحیت کے اصول اور ابن اللہ کی شخصیت ہی جامع اور عالم گیر ہے۔

مسیحیت کی بے نظیری کی واضح حقیقت کے باوجود بعض غیر مسیحی برادران یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ سیدنا مسیح کا مشن عالم گیر نہ تھا اور اس انکار کے ثبوت میں وہ بالعموم دو انجیلی آیات کو پیش کیا کرتے ہیں جن میں منجی کونین کے دو اقوال مندرج ہیں اور وہ آیات حسبِ ذیل ہیں:

(۱۔) مقدس متی کی انجیل میں خداوند کا یہ قول ہے "میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا کسی اور کے پاس نہیں بھیجا گیا" (متی ۱۵باب آیت ۲۴)۔

(۲۔) کلمتہ اللہ کا ایک قول اسی انجیل میں ہے "یسوع نے ان بارہ کو بھیجا اوران کو حکم دے کر کہا کہ غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا اور چلتے چلتے یہ منادی کرنا کہ آسمان کی بادشاہت نزدیک آگئی ہے" (۱۰باب آیت ۵تا۷)۔

مذکورہ بالا آیات کی بنا پر بعض معترضین کہتے ہیں کہ جنابِ مسیح مرسل من اللہ تو تھے لیکن منجیِ عالمین نہ تھے۔ آپ کی رسالت صرف اہلِ یہود تک ہی محدود تھی لہذا آپ کا پیغام عالم گیر نہ تھا۔

اس مختصر رسالہ میں ہم کلمتہ اللہ کے مذکورہ بالا کلماتِ طیبات پر غور کریں گے تا کہ معلوم کریں کہ آیا مخالفین کے اعتراضات صحیح اور حق بجانب ہیں کہ نہیں۔ ہم اہل یہود کے نصب العین اور تاریخ پر انبیائے اسرائیل کی کتب اور خود سیدنا مسیح کے اقوال و معجزات اور آپ کے احکام پیغام اور پروگرام اور طرزِ عمل پر کلمتہ اللہ کے حوارئین اور مبلغین (تبلیغ کرنے والا) کے اقوال وافعال وہدایات پر اور کلیسیائے جامع کے لائحہ عمل اور کارناموں پر ایک مختصر نظر ڈال کر مندرجہ بالا اعتراض کی صحت کو جانچیں گے اوران کی روشنی میں ابن اللہ کے ہر دو اقوال کی صحیح تفسیر کو سمجھنے کی کوشش کریں گے تا کہ وہ معترض جو صدق دل سے ان آیات کی بنا پر مسیحیت کی عالمگیری کو نہیں مانتے اپنے نظریہ کی نظر ثانی کر کے منجی عالمین پر ایمان لا کر حیاتِ ابدی حاصل کریں۔ وَماتوفیقی الا باللہ۔

ہولی ٹرنٹی چرچ۔ لاہور

یکم جولائی ۱۹۳۸ء

علامہ برکت اللہ۔

فصل اوّل

اصولِ تفسیر

اس سے پہلے کہ ہم اُن آیات پر غور کریں جن کا ذکر مقدمتہ الکتاب میں کیا گیا ہے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ناظرین کا کتابِ مقدس کی تفسیر کے صحیح اصُول سے جو مخالف و موالف دونوں کے نزدیک مسلم ہیں تعارف کرا دیں، تاکہ ان کو معلوم کر کے ناظرین خود آیاتِ مذکورہ بالا کی صحیح تفسیر کو جانچ سکیں۔ اگر اعتراضات کی بنا صحیح اصول تفسیر کے خلاف ثابت ہو جائے تو ان اعتراضات کے غلط ہونے میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہو گی۔ لیکن اگر یہ اعتراضات صحیح اصول کے مطابق ہونگے تو ان کے حق بجانب ہونے میں کسی کو کلام نہ ہو گا۔

تفسیر کا صحیح اصل یہ ہے کہ کسی قول کی صرف وہی تفسیر صحیح ہو سکتی ہے جو قائل یا کہنے والے کے اصلی مفہوم اور حقیقی منشا کو ظاہر کرے۔ پس اگر کسی قول کی تاویل ایسے طریقہ سے کی جائے جو کہنے والے کے اصلی منشا کے خلاف ہو تو وہ تاویل باطل اور گمراہ کن ہو گی۔ اس قسم کی تفسیر محض من گھڑت ہو گی اور اربابِ دانش کے نزدیک اس کی وقعت اور قدر صفر سے زیادہ نہ ہو گی۔

پس لازم ہے کہ جب ہم کسی شخص کے قول کی تاویل یا تفسیر کریں تو اس بات کا لحاظ رکھیں کہ وہ تفسیر کہنے والے کے خیالات کے مطابق ہو۔ اس کے جذبات کی صحیح ترجمانی کرے اور اس کے افعال اور طرزِ عمل سے اس تاویل پر روشنی پڑے تاکہ وہ قائل کے خیالات، جذبات اور افعال کا مظہر ہو۔ صحیح تفسیر کے لئے لازم ہے کہ وہ عبارت کے سیاق وسباق کا لحاظ رکھے اور کتابِ مقدس کے الفاظ و محاورات سے اس تفسیر کی تائید ہوتی ہو۔ جو تفسیر اس اصول کے خلاف ہو گی وہ تفسیر القول بمالا یرضی بہ قائلہ متصور ہو گی۔ یعنی وہ ایسی تاویل ہو گی جو قول کے کہنے والے کے مطلب ومنشا کے خلاف ہو گی۔ لہذا وہ تفسیر باطل اور ناقابل اعتماد ہو گی۔ اس قسم کی تاویل کو جو خلاف سیاق کلام ہو اور خلاف الفاظ انجیل جلیل ہو کوئی صحیح العقل (دانا، دانش مند) شخص قبول نہیں کر سکتا اور اگر کوئی شخص اس قسم کی تفسیر کرنے پر اصرار کرے تو وہ صحیح تفسیر نہیں بلکہ فضول بحث اور مکابرہ (شیخی ، گھمنڈ) ہو گا جس کے خلاف ہم کو انجیل شریف میں متنبہ کیا گیا ہے (۱۔تیمتھیس ۶:۴ وغیرہ)۔

پس اگر کوئی شخص انجیل جلیل کی کسی آیت کی یا سیدنا مسیح کے کسی قول کی اس طور پر تفسیر کرے جو سیدنا مسیح کے حقیقی منشا کے خلاف ہو اور آپ کے کلماتِ طیبات، احکام وہدایات اور پیغام وپروگرام اور طرز عمل کے مطابق نہ ہو تو اس تفسیر کے غلط ہونے میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا۔ جو تفسیر کلمتہ اللہ کے خیالات، الفاظ اور جذبات کی صحیح ترجمانی نہ کرے بلکہ ایسے معنی بیان کرے جو سیدنا مسیح کے مطلب ومقصد کے عین نقیض (مخالف، عداوت) ہوں تو وہ تاویل (شرح، ظاہری مطلب سے کسی بات کو پھیر دینا) یقیناً صحیح تاویل کہلانے کی مستحق نہیں ہو سکتی۔

علاوہ ازیں اگر ایسی تاویل نہ صرف کلمتہ اللہ کے خیالات وجذبات ہدایات واحکام وافعال کے خلاف ہو بلکہ ایسی ہو جو کہ آپ کے حوارئین کے خیالات وجذبات واحکام اور طرز عمل کے بھی خلاف ہو تو ایسی تفسیر کے غلط ہونے میں شک کی گنجائش نہیں رہ سکتی۔

مزید بر آں اگر یہ تاویل ایسی ہو جو نہ صرف منجیِ عالمین اورآپ کے حوارئین کے خیالات وجذبات واحکام اور پیغام، ہدایات پروگرام اور طرز عمل کے خلاف ہو بلکہ جمہور کلیسیائے جامع کی ہدایات اور طرزِ عمل کے بھی خلاف ہو تو اس تاویل کے مردود ہونے میں کسی شخص کو کلام نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ ایسی تاویل وہ معنی بیان کرتی ہے جو نہ کلمتہ اللہ سمجھے نہ آپ کے حوارئین نہ آئمہ اور آبائے کلیسیا جامع اور نہ عامہ مسیحی۔ ایسی تفسیر انجیل جلیل کی آیات کے وہ معنی بتلائے گی جو نہ عبارت کے الفاظ سے نکلتے ہیں نہ سیاق کلام کے مطابق ہیں، بلکہ وہ تاویل ایسی ہوں گی جو کلمتہ اللہ کے منشا اور انجیل کے مقصود اور حوارئین اور آبائے کلیسیا کی ہدایات کی جو اصلی غرض ہے۔ ان سب کے خلاف ہو گی۔ پس اس قسم کی تاویل صریح اور صاف طور پر غلط اور ناقابل قبول ہو گی۔

بعض غیر مسیحی اصحاب اس قسم کی غلط تاویل کو کام میں لاکر دو انجیلی آیات کی اس طور سے تفسیر کرتے ہیں جس طرح نہ تو خود کلمتہ اللہ نے سمجھا تھا نہ آپ کے حوارئین نے، نہ آبائے کلیسیا نے، نہ کلیسیائے جامع اور نہ جمہور مسیحیوں نے بلکہ یہ تاویل اس قسم کی ہے کہ جس سے انجیل کا اصل مقصود ہی فوت ہو جاتا ہے۔ یہ تفسیر کلمتہ اللہ کے خیالات، انجیل کے الفاظ اور سباق عبارت اوراس کے عام منشا سے کچھ مناسب اور مطابقت نہیں رکھتی۔ یہ اصحاب انجیل کی آیات کو اس طرح ماؤل کر دیتے ہیں کہ وہ تاویل ایسے درجہ پر پہنچ جاتی ہے کہ اس پر تاویل کا لفظ بھی صادق نہیں ہو سکتا۔ مشہور ہے کہ

ع۔ برعکس نہند نام زنگی کافور

اس قسم کی تاویل کے ذریعہ یہ اصحاب ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ سیدنا مسیح کا مشن عالم گیر نہ تھا اورآپ منجیِ عالمین نہ تھے۔ اس انکار کے ثبوت میں وہ بالعموم دو آیات کی تفسیر و تاویل پیش کرتے ہیں جن میں منجیِ کونین کے دو اقوال مندرج ہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ مقدس متی کی انجیل میں وارد ہوا ہے کہ "میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا کسی اور کے پاس نہیں بھیجا گیا" (متی ۱۵:۲۴)۔ اور آپ نے شاگردوں کو حکم دیا کہ "اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا۔ غیر قوموں کی طرف نہ جانا" (متی ۱۰:۵)۔

مذکورہ بالا آیات کی تاویل یہ کی جاتی ہے کہ کلمتہ اللہ کو یہ احساس تھا کہ آپ **مرسل من اللہ** ہو کر صرف قوم یہود کے لئے آئے تھے اورآپ کا پیغام صرف اہلِ یہود کے لئے ہی تھا نہ کہ دیگر اقوامِ عالم کے لئے۔ آپ کی ہمدردی کا حلقہ قوم اسرائیل سے زیادہ وسیع نہ تھا اور آپ کے خواب وخیال میں بھی یہ بات نہ آئی تھی کہ آپ کا پیغام اسرائیل کے علاوہ کسی اور قوم کے لئے ہے۔ چہ جائیکہ (چاہے) وہ کل بنی نوع انسان کے لئے ہو۔

اگر یہ ثابت ہو جائے کہ مذکورہ بالا تاویل کلمتہ اللہ کے خیالات وکلمات وجذبات وہدایات، پیغام واحکام اورآپ کے لائحہِ عمل اور طرزِ عمل کے مطابق ہے تو اس کے صحیح ماننے میں کسی صاحب عقل کو کلام نہ ہو گا۔ لیکن اگر یہ ثابت ہو جائے کہ یہ تفسیر اور تاویل سیدنا مسیح کے خیالات وکلمات وجذبات وہدایات واحکام اور آپ کے لائحہِ عمل اور طرزِ عمل کے عین خلاف ہے اور ان الفاظ سے آپ کے حوارئین وہ مطلب نہ سمجھے جو یہ تاویل ہم کو سمجھانا چاہتی ہے بلکہ ان حوارئین کے خیالات، کلمات، ہدایات، احکام اور طرزِ عمل اس تاویل کے عین ضد تھے۔ مزید بر آں کلیسیائے جامع اور جمہور مسیحیوں کا عقیدہ اور طرزِ عمل ابتدا سے دور حاضرہ تک اس تاویل کے برعکس رہا ہے تو یہ ظاہر ہے کہ یہ تاویل بالکل غلط اور ناقابل قبول ثابت

ہو جائے گی اوران آیاتِ شریفہ کی صحیح تفسیر وہ ہو گی جو کلمتہ اللہ اورآپ کے حوارئین اور کلیسیائے جامع کے حقیقی منشااور مقصود کے موافق ہو گی۔ انشاء اللہ ہم مابعد کی فصلوں میں یہ بات واضح کر کے ان آیات کی تاویل صحیح اصول تفسیر کے مطابق کریں گے۔

فصل دوم

انبیائے اسرائیل کی رسالت کا مطمعِ نظر

اور

اہلِ یہود کا نصب العین

اس سے پہلے کہ ہم اُن آیات ومقامات کا مفصل مطالعہ کریں جن پر معترضین کے اعتراضات مبنی ہیں یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس امر کو دریافت کریں کہ جس قوم میں کلمتہ اللہ نے پرورش پائی اس کا نصب العین کیا تھا اور جن انبیائے عظام (بزرگ) کی کتب کے گہوارہ میں آپ نے اپنے ایامِ طفولیت (بچپن) اور عالمِ شباب (جوانی) کے روحانی مدارج کو حاصل کیا۔ ان کے پیغام کا مطمع نظر کیا تھا۔ کیا اہلِ یہود اور اسرائیل کی نظر صرف قوم اسرائیل کے افراد کی نجات تک ہی محدود تھی یا ان کا خیال تھا کہ غیر یہود بھی نجات حاصل کریں گے ؟ کیا ان کے خیال میں ان کا خدا محض یہود کا ہی خدا تھا یا تمام عالم کا خدا تھا؟ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ اہل یہود کی نظر اس باب میں وسیع تھی اور ان کا یہ ایمان تھا کہ خدا رب العالمین ہے اور اقوامِ عالم اس کی نجات سے بہرہ ور (فائدہ اُٹھانے والے) ہوں گی اور اگر یہ ثابت ہو جائے کہ انبیائے اسرائیل کی رسالت کا مطمع نظر (اصلی مقصد) ہی یہ تھا کہ بنی اسرائیل غیر یہود کو خدا کے پاس لانے کا ذریعہ اور وسیلہ ہونگے تو یہ ماننا ایک ناممکن امر ہو جائے گا کہ کلمتہ اللہ اپنے زمانہ کے ہمعصروں اور انبیائے سابقہ اوران کے مقلدوں (مرید) کی نسبت زیادہ تنگ نظر تھے، کیونکہ اگر ابن اللہ کی ذہنی نشو ونما اور روحانی ترقی کے ماحول وسیع تھے تو آپ کے خیالات ان سے زیادہ تنگ نہیں ہوسکتے، کیونکہ ایک روشن حقیقت ہے کہ کلمتہ اللہ کے خیالات اپنے ہمعصروں سے کہیں زیادہ بلند وبالا اور وسیع تھے۔ آپ کے آنے کی غایت (غرض، مطلب، انجام) ہی یہ تھی۔ آپ توریت اور صحف انبیاء کو پورا کریں اور ایک کامل شرع اور اکمل نمونہ دیں (متی ۱۸:۵، ۲۹:۱۱، یوحنا ۱۵:۱۳۔ رومیوں ۴:۱۰، ۸:۱۳؛ گلتیوں ۲۴:۳، افسیوں ۲۰:۴ وفلپیوں ۵:۲ وغیرہ وغیرہ)۔

سچ تو یہ ہے کہ کلمتہ اللہ نے ایک ایسے گھرانے میں پرورش پائی تھی جو اپنی نظیر آپ ہی تھا۔ مقدسہ مریم پر بالفاظ انجیل "خدا کی طرف سے فضل ہوا" تھا اور خدا تعالیٰ کی قدرت نے اس پر سایہ ڈالا تھا۔ بالفاظ قرآن اللہ نے آپ "کو پسند کیا اور پاک کیا اور تمام جہان کی عورتوں سے برگزیدہ کیا"۔ انجیل جلیل اس بات کی گواہ ہے کہ مقدسہ مریم نے آپ کو صحفِ انبیاء اسرائیل کی تعلیم دی تھی۔ ان صحف کے حصص کے حصص خداوند کو

زبانی یاد تھے۔ یہودیت کی دعائیں بچپن ہی سے آپ کو حفظ کرائی گئی تھیں (متی ۴باب۔ ۵باب، مرقس ۱۲باب، ۱۵باب۔ لوقا ۲باب۔ لوقا ۲۳: ۴۶ وغیرہ)۔

حتیٰ کہ آپ کے لڑکپن کی نسبت انجیل شریف میں وارد ہوا ہے کہ آپ اس زمانہ میں بڑھتے اور قوت پاتے اور حکمت سے معمور ہوتے ہوگئے اور خدا کا فضل آپ کے ساتھ مدام (ہمیشہ) رہا (لوقا ۲: ۴۰)۔ بالفاظِ قرآن آپ ایسے "نیک بخت" واقع ہوئے تھے کہ آپ روح اللہ اور کلمتہ اللہ "وجیهاً فی الدنیاَ الاخرہ اور منَ المربین" تھے۔

پس جب کلمتہ اللہ نے ایسے حالات میں اپنی ذہنی اور روحانی پرورش پائی ہو تو معترض کا یہ قول نہ صرف لغو اور بے بنیاد بلکہ مضحکہ خیز ہے کہ اہل یہود تو اس بات کو مانتے تھے اوران کے انبیاء صدیوں سے ان پر یہ جتلاتے چلے آئے تھے کہ ان کا کام یہ ہے کہ اقوامِ عالم خدا کی نجات کا پیغام دیں۔ لیکن کلمتہ اللہ ایسے تنگ نظر واقع ہوئے تھے کہ اپنے ہمعصر یہود کے نصب العین اور انبیائے اسرائیل کے مطمع نظر کو جس سے وہ بچپن ہی سے واقف تھے دیدہ دانستہ پسِ پشت پھینک کر یہ مانتے تھے کہ خدا کی نجات صرف اہل یہود تک ہی محدود ہے اور اپنے حواریوں کو یہ تعلیم دیتے تھے کہ دیگر اقوامِ عالم اس نجات سے بہرہ اندوز نہیں ہو سکتیں۔

اہلِ یہود کا نصب العین

یہودی انبیا کی رسالت کا مقصد یہ تھا کہ وہ اپنی امت یعنی قوم بنی اسرائیل پر یہ صداقت ظاہر کردیں کہ اس کی زندگی کا مطمع نظر اور نصب العین یہ ہے کہ وہ اقوامِ عالم کو خدا کی معرفت اور نجات کا پیغام دینے کا وسیلہ ہے تاکہ جملہ اقوام عالم اہل یہود کی معرفت ایک حقیقی واحد خدا کے علم کو حاصل کریں۔

یہ حقیقت عہد عتیق کی پہلی کتاب یعنی پیدائش سے لے کر آخری کتاب یعنی ملاکی نبی کی کتاب میں پائی جاتی ہے۔ چنانچہ کتب مقدسہ کی پہلی کتاب یعنی پیدائش کی کتاب میں جو سیدنا مسیح سے صدیوں پہلے لکھی گئی تھی یہ مندرج ہے کہ خدا نے حضرت ابراہیم سے وعدہ فرمایا کہ "دنیا کے سب گھرانے تجھ سے برکت پائیں گے" (پیدائش ۱۲: ۳) "ابراہیم یقیناً ایک بڑی اور بزرگ قوم ہوگا اور زمین کی سب قومیں اس سے برکت پائیں گی" (پیدائش ۱۸:۱۸) "اے ابراہیم تیری نسل سے زمین کی سب قومیں برکت پائیں گی کیونکہ تونے میرے حکم کی تعمیل کی" (۱۸:۲۲ نیز دیکھو اعمال ۳: ۲۵، گلتیوں ۳: ۸، ۱۸ وغیرہ) پھر خدا نے حضرت اضحاق کو بھی یہی فرمایا (پیدائش ۲۶: ۴)۔ اس کے بعد خدا نے حضرت یعقوب کو رویا کے ذریعہ بتلایا کہ "تیری نسل ایسی ہوگی جیسی زمین کی گرد اور تو پچھم پورب اتر اور دکھن کو پھوٹ نکلے گا اور زمین کے تمام گھرانے تجھ سے اور تیری نسل سے برکت پائیں گے" (پیدائش ۲۸: ۱۴)۔

پس ابتدائے زمانہ سے خدا کا یہ ارادہ تھا کہ اہلِ اسرائیل کو اقوام عالم کے درمیان اپنی معرفت اور برکت بخشنے کا وسیلہ بنائے۔ انبیائے اسرائیل نے اس حقیقت کو بار بار اہل یہود کے گوش گذار کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ رکھا (کسر نہ چھوڑنا، سخت کوشش کرنا، سب کچھ کہہ

دینا)۔ چنانچہ اگر ہم انبیائے اصغر کو نظر انداز کر کے صرف چند انبیائے عظام (بزرگ) کو بطور مشتے نمونہ از خروارے (ڈھیر میں سے مٹھی بھر، تھوڑے سے نمونے سے کل چیز کی اصلیت معلوم ہو جاتی ہے) لیں تو یہ حقیقت ہم پر مہر نیم روز (دوپہر) کی طرح روشن ہو جاتی ہے مثلاً:

(۱۔) سیدنا مسیح سے (۷۶۰) سال پہلے حضرت عاموس نے اسرائیل کو یہ سبق سکھلایا کہ جس طرح خدا اہلِ یہود کی حفاظت کرتا ہے اسی طرح وہ اہلِ حبش کی بھی حفاظت کرتا ہے۔ جس طرح خدا اسرائیل کو مصر سے نکال لایا اسی طرح وہ فلسطیوں کو کفتور سے اور ارامیوں کو قیر سے نکال لایا تھا۔ چنانچہ نبی کہتا ہے کہ "جو آسمان پر اپنے بالا خانوں کو بناتا ہے اور زمین پر اپنے گردوں (رتھ، گاڑی) کی محراب کو قائم کرتا ہے۔ وہ جو سمندروں کے پانیوں کو بلاتا ہے اور ان کو روئے زمین کی سطح پر انڈیلتا ہے۔ اس کا نام خداوند ہے وہ فرماتا ہے اے بنی اسرائیل کیا تم لوگ میرے حضور کوش کی اولاد کی طرح نہیں ہو۔ خداوند فرماتا ہے کہ کیا جس طرح میں اسرائیل کو مصر کی سرزمین سے نکال لایا ہوں فلسطیوں کو کفتور سے اور ارامیوں کو قیر سے نہیں نکال لایا ہوں"؟ (عاموس ۹:۷)

(۲۔) حضرت یسعیاہ نبی جو (۷۶۰ قبل از مسیح) پیدا ہوئے فرماتے ہیں "ساری اقوام خداوند کے گھر کی طرف روانہ ہوں گی اور کہیں گی آؤ ہم خداوند کے پہاڑ پر چڑھیں اور یعقوب کے خدا کے گھر میں۔ کہ وہ اپنی راہیں ہم کو بتلائیں گا اور ہم اس کے رستوں پر چلیں گے کیونکہ شریعت صیہون سے اور خداوند کا کلام یروشلیم سے نکلے گا" (یسعیاہ ۲:۲)۔ رب الافواج اس پہاڑ پر تمام اقوام کے لئے فربہ چیزوں سے ایک ضیافت کرے گا اور خداوند خدا سب کے چہروں سے آنسو پونچھ ڈالے گا اور اس روز یہ کہا جائے گا کہ دیکھو یہ ہمارا خدا ہے ہم اس کی راہ تکتے تھے اور اس نے ہم کو بچایا۔ یہ خداوند ہے جس کے انتظار میں ہم تھے۔ اب ہم اس کی نجات سے خوش و خرم ہوں گے (یسعیاہ ۲۵ باب نیز دیکھو ۹:۲، ۱۱:۱ تا ۱۰۔ ۱۸:۷، ۲۴:۱۶، ۲۷:۱۳۔ ۳۵:۱، ۴۰:۵ وغیرہ وغیرہ)۔ "اس روز مصر سے اسور تک ایک شاہراہ ہو گی اور مصری اسوریوں کے ساتھ عبادت کرینگے اور اس روز اسرائیل زمین کے درمیان برکت کا باعث ٹھہرے گا اور رب الافواج اس کو برکت بخشے گا اور فرمائے گا کہ مبارک ہو مصر میری امت۔ اسور میرے ہاتھ کی صنعت اور اسرائیل میری میراث (۱۹:۲۳ وغیرہ وغیرہ)۔

(۳۔) میکاہ نبی کی کتاب (۷۰۰) عیسوی سے قبل لکھی گئی۔ اس نے بھی یہ حقیقت جتلائی ہے (میکاہ باب ۴، ۵ وغیرہ وغیرہ)۔

(۴۔) حضرت یرمیاہ نبی سیدنا مسیح سے ساڑھے چھ سو (۶۵۰) سال پہلے پیدا ہوا اور وہ بار بار اپنی نبوتوں میں جو اس نے خود لکھوائیں اس بات کا ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ "اے خداوند دنیا کے کناروں سے اقوام تیرے پاس آکر کہیں گی کہ فی الحقیقت ہمارے باپ دادا نے محض بطالت کی میراث حاصل کی" (یرمیاہ ۱۶:۱۹، ۴:۲ وغیرہ وغیرہ)۔

(۵۔) صفنیاہ نبی کی کتاب سیدنا مسیح سے سوا چھ سو (۶۵۰) سال پہلے لکھی گئی اس میں مرقوم ہے کہ "میں اس وقت لوگوں کے ہونٹ پاک کر دوں گا تاکہ سب کے سب خداوند کا نام لیں۔ اور ایک دل ہو کر اس کی عبادت کریں۔ کوش کی نہروں کے پار سے میرے عابد ہدیہ لائیں گے" (صفنیاہ ۳:۹ وغیرہ)۔

(۶۔) حزقی ایل نبی سیدنا مسیح سے چھ سو بائیس (۶۲۲) سال پیشتر پیدا ہوا۔ وہ متعدد دفعہ اس بات کا ذکر کرتا ہے (حزقی ایل باب ۳۴، ۳۷، ۴۷ وغیرہ)۔

(۷۔) حضرت زکریاہ نے سیدنا مسیح سے چھ سو بائیس (۶۲۲) سال پہلے نبوت کرنی شروع کی۔ وہ بھی اس نصب العین کا ذکر کرکے کہتا ہے کہ "بہت اقوام اور زور آور امتیں رب الافواج کو ڈھونڈنے کو اور خداوند کے چہرے کو دیکھنے کو یروشلیم میں آئیں گی۔ رب الافواج کو ڈھونڈنے کو اور خداوند کے چہرے کو دیکھنے کو یروشلیم میں آئیں گی۔ رب الافواج یوں فرماتا ہے کہ ان دنوں میں ایسا ہوگا کہ قوموں کے دس آدمی جن کو الگ الگ نعمت دی جائے گی، ہاتھ بڑھائیں گے۔ وہ ایک یہودی شخص کے دامن کو پکڑیں گے اور کہیں گے کہ ہم تمہارے ساتھ جائیں گے کیونکہ ہم نے سنا ہے کہ خدا تمہارے ساتھ ہے (زکریاہ ۸: ۲۲۔ ۲۳، ۲: ۱۰، ۶: ۱۵، ۹: ۱ اور ۱۴ باب وغیرہ)۔

(۸۔) اہلِ یہود کی جلاوطنی کے دوران میں انبیائے اسرائیل نے اس نصب العین کو بار بار اپنی امت کے سامنے رکھا۔ چنانچہ (یسعیاہ کی کتاب کے ابواب ۴۰ تا ۶۶) جو (۵۴۶ تا ۵۳۹) قبل از مسیح لکھے گئے اس نصب العین سے پُر ہیں۔ مثال کے طور پر ذیل کی آیات ملاحظہ ہوں "اے بنی اسرائیل میں۔ خداوند نے تجھ کو صداقت کے لئے بلایا ہے میں تیرا ہاتھ پکڑوں گا اور تیری حفاظت کروں گا اور لوگوں کے عہد اور قوموں کے نور کے لئے تجھے دوں گا تو اندھوں کی آنکھیں کھولے اور قیدیوں کو زنداں سے نکالے اور ان کو جو اندھیرے میں بیٹھے ہیں قید خانہ سے چھڑالے" (یسعیاہ ۴۲: ۶)۔ "اے جزیروں میری سنو۔ اے لوگو جو دور و نزدیک کے ہو کان لگاؤ۔ خداوند نے مجھ سے کہا کہ تو میرا بندہ ہے تجھ میں۔ اے اسرائیل۔ اپنا جلال ظاہر کرونگا۔ وہ فرماتا ہے کہ یہ تو کم ہے کہ تو یعقوب کے فرقوں کے برپا کرنے اور اسرائیل کے بچے ہوؤں کے پھر لانے کے لئے میرا بندہ ہو بلکہ میں نے تجھ کو اقوامِ عالم کے لئے نور بخشا تاکہ تجھ سے میری نجات زمین کے کناروں تک پہنچے۔ دیکھ یہ دور سے اور دیکھ یہ اتر سے اور بچھم سے اور یہ سینیم کے ملک سے آئیں گے" (یسعیاہ ۴۹: ۱۔ ۱۳)۔

"میری سن اے میری امت۔ اے میری گروہ میری طرف کان دھر کہ ایک شریعت مجھ سے رائج ہوگی اور میں اپنی شرع کو اقوام کی روشنی کے لئے قائم کروں گا۔ میری نجات چل نکلی ہے۔ بحری مملکتیں میرا انتظار کریں گی اور میرے بازو پر ان کا توکل ہوگا" (یسعیاہ ۵۱: ۴) "بیگانے کی اولاد بھی جنہوں نے اپنے آپ کو خداوند سے پیوستہ کیا ہے اس کی بندگی کریں اور خداوند کے نام کو عزیز رکھیں اور اس کے بندے ہوں۔ میں ان کو بھی اپنی عبادت گاہ میں شادمان کروں گا کیونکہ میرا گھر سب اقوام کی عبادت گاہ کہلائے گا (یسعیاہ ۵۶: ۶)۔ اٹھ روشن ہو کہ تیری روشنی آئی اور خداوند کے جلال نے تجھ پر طلوع کیا ہے۔ خداوند تجھ پر طالع ہوگا اور اس کا جلال تجھ پر نمودار ہوگا اقوام تیری روشنی میں اور شاہان تیرے طلوع کی تجلی میں چلیں گے" (۶۰: ۱ تا ۳ وغیرہ وغیرہ)۔

یہ تمام ابواب ان دو باتوں پر زور دیتے ہیں کہ خدا یہود اور غیر یہود دونوں سے محبت رکھتا ہے اور اس کی تمنا یہی ہے کہ اقوامِ عالم اہل اسرائیل کے ذریعہ اس کا عرفان حاصل کریں۔ خدا نے بنی اسرائیل کی طرف اپنے انبیاء بھیجے اور اب خدا اسرائیل سے یہ چاہتا ہے کہ کہ اس کے افراد انبیازادے بن کر اقوام عالم میں جائیں اور ان کو خدائے واحد کی طرف لائیں ان تمام ابواب میں بار بار اس امر پر زور دیا گیا ہے کہ اسرائیل خدا کا بندہ اور خادم ہے جس کو خدا نے اس مقصد کی خاطر چنا ہے کہ وہ اقوامِ عالم کو خدا کی شریعت اور احکام کا علم دے اور رضائے الہیٰ کی تلقین کرے (یسعیاہ ۴۲: ۱ تا

۴۔۴۵:۸۔۴۹:۱تا۶۔۵۰:۴تا۹۔۵۲:۱۳تا۵۳:۱۲:۵۵:۵۔۵۶:۳:۶۱باب۔۶۵:۱۔۶۶:۱۲وغیرہ وغیرہ)۔اور جس طرح خدا نے اسرائیل کو مصر کی غلامی سے نجات دی۔اسی طرح قوم اسرائیل اقوامِ عالم کو شیطان کی غلامی سے نکالے(یسعیاہ ۴۵:۱تا۶)۔

(۹۔)زبور نویس جو سیدنا مسیح سے صدیوں پہلے وقتاً فوقتاً مختلف اوقات اور زمانوں میں مزمور لکھتے رہے بار بار اسی ایک حقیقت پر زور دیتے ہیں اور زبور کی کتاب کا کوئی صفحہ ایسا نہیں جس میں بنی اسرائیل پر اس صداقت کو بظاہر نہیں کیا گیا۔ مشتے نمونہ از خروارے(ڈھیر میں سے مٹھی بھر، تھوڑے سے نمونہ سے چیز کی اہمیت معلوم ہو جاتی ہے)۔"اے خدا تو جو دعا کا سننے والا ہے۔سارے بشر تجھ پاس آئیں گے۔اے ہمارے نجات دینے والے خدا تو زمین کے سارے کناروں کا اور ان کا بھی جو دور دریا کے بیچ میں ہیں بھروسا ہے"(زبور ۶۵)۔"(اے اسرائیل) میں قومیں تیری میراث میں دوں گا اور اقصائے عالم تیرے پاس ہوں گے"(زبور ۲)۔سارے جہان کے لوگ سراسر خداوند کی طرف رجوع لائیں گے اور سب قوموں کے گھرانے تیرے آگے (اے خدا) سجدہ کریں گے کیونکہ سلطنت خداوند کی ہے اور اقوام عالم کے درمیان وہی حاکم ہے"(زبور ۲۲)۔"تم جانو کہ میں خدا ہوں اقوام عالم میں بلند ہوں گا(زبور ۴۶)۔"اے تو جو دعا کا سننے والا ہے سارے بشر تجھ پاس آئیں گے"(زبور ۶۵)۔"ساری زمین تجھ کو سجدہ کرے گی اور تیری مدح خواں ہو گی وہ تیرے نام کے گیت گائیں گے"(زبور ۶۶)۔"اُمرا مصر سے آئیں گے۔کوش کے باشندے اپنے ہاتھ خدا کی طرف بڑھائیں گے۔اے زمین کی مملکتو۔خدا کے گیت گاؤ"(زبور ۶۸)سمندر سے دوسرے سمندر تک اور بحر سے انتہا زمین تک خدا کا حکم جاری ہو گا۔وہ جو بیابان کے باشندے ہیں اس کے حضور جھکیں گے ساری گروہیں اور قبائل اس کی عبادت کریں گی۔جب تک آفتاب رہے گا اس کے نام کا رواج ہو گا۔تمام اقوام خدا کو مبارک کہیں گی۔تمام جہان اس کے جلال سے معمور ہے"(زبور ۷۲)اقوام عالم خدا کے نام سے ڈریں گی خداوند کا نام صیہون میں بلند کیا جائے گا جب کہ امتیں اور مملکتیں خداوند کی عبادت کے لئے ایک ساتھ جمع ہوں"(زبور ۱۰۲)۔"خدا ہم پر رحم کرے اور ہم کو برکت دے۔اپنے چہرے کو ہم پر جلوہ گر فرمائے تاکہ تیری راہ ساری زمین میں جانی جائے اور تیری نجات سب اقوام میں۔امتیں خوش ہوں کہ تو زمین پر کی امتوں کی ہدایت کرے گا۔خدا ہم کو برکت دے گا اور زمین کے سارے کنارے اس کا خوف مانیں گے(زبور ۶۷)"اے خداوند ساری اقوام جن کو تو نے خلق کیا آئیں گی اور تیرے حضور سجدہ کریں گی اور تیرے نام کی بزرگی کریں گی کہ تو ہی واحد خدا ہے"(زبور ۸۶)۔"خداوند کے لئے گاؤ۔اس کے نام کو مبارک کہو۔روز بروز اس کی نجات کی بشارت دو۔دنیا کی امتوں کے درمیان اس کے جلال کو تمام اقوام کے درمیان اس کی عجائب قدرتوں کو بیان کرو۔کیونکہ خداوند بزرگ اور نہایت ستائش کے لائق ہے۔دنیا کی امتوں کے معبود ہیچ ہیں پر آسمانوں کا بنانے والا خداوند ہے۔اے قوموں کے گھرانوں خداوند کی حشمت و قدرت کو جانو۔اس کی بزرگی کرو اس کی بارگاہوں میں آؤ۔خداوند کو حسنِ تقدس کے ساتھ سجدہ کرو۔اے ساری زمین۔اقوام عالم کے درمیان اعلان کرو کہ خداوند سلطنت کرتا ہے"(زبور ۹۶ وغیرہ وغیرہ)۔

(۱۰۔)اس صداقت پر کہ اسرائیل کا نصب العین یہ ہے کہ اقوام عالم کو خداوند کا عرفان بخشے۔زور دینے کے لئے عہد عتیق کی کتب کے مجموعہ میں روت کی کتاب اور یوناہ کی کتاب کا وجود خود ایک زبردست دلیل ہے۔روت کی کتاب کی ہیروئن ایک موابی عورت ہے جو غیر یہود تھی۔ لیکن اس کا وجود یہ ثابت کرتا ہے کہ اہل اسرائیل کو اپنا نصب العین یاد تھا کہ اس کی ہستی کا واحد مقصد یہی ہے کہ غیر یہود کو خداوند کا علم بخشے۔

(۱۱۔) یوناہ کی کتاب۔ سیدنا مسیح سے صدیوں پیشتر لکھی گئی ہے۔ اس کا واحد سبق یہی ہے کہ خدا کی نجات اوراس کا رحم تمام اقوام پر حاوی ہے خواہ وہ یہود ہوں یا غیر یہود۔ اس کتاب میں یوناہ در حقیقت بنی اسرائیل کی ایک مثال ہے۔ خدا نے بنی اسرائیل کے سپرد یہ خدمت کی تھی کہ اقوام عالم میں اس کے عرفان کو پھیلانے کا اور اس کی نجات کی اشاعت کا ذریعہ ہو۔ لیکن یوناہ کی طرح بنی اسرائیل نے اس ذمہ واری سے انکار کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جس طرح مچھلی نے یوناہ کو نگل لیا۔ اسی طرح بابل نے بنی اسرائیل کو تباہ کر دیا۔ لیکن جس طرح مچھلی نے یوناہ کو زندہ اگل دیا۔ اسی طرح بنی اسرائیل بابل کی قید سے واپس یروشلیم آ گئے۔ تب پھر خدا نے ایک اور موقعہ بنی اسرائیل کو دیا کہ وہ خدائے واحد کی نجات کو غیر یہود اور اقوام عالم تک پہنچائے، لیکن یوناہ کی طرح بنی اسرائیل نے بھی اپنا دل سخت کر لیا اوراس کی بجائے کہ وہ اپنی ذمہ داری کو محسوس کرے وہ اپنے دین اور مذہب کے سایہ میں بیٹھ گئے۔ جس طرح یوناہ کدو کی بیل کے سایہ میں بیٹھ گیا اوراس بات کے منتظر ہونے لگے کہ خدا غیر یہود کو تباہ اور برباد کرے۔ لیکن خدا کے دل پر اسرائیل کی یہ حالت دیکھ کر چوٹ لگی کیونکہ وہ چاہتا تھا کہ بنی اسرائیل کے دل میں تبدیلی دیکھے اور بنی اسرائیل اپنی زندگی کے واحد مقصد کو سر انجام دیں اور اقوام عالم کو خدا کی نجات کی بشارت دینے کا ذریعہ ہوں۔

(۱۲۔) عہدِ عتیق کی کتب کے مجموعہ کی کتاب ملاکی نبی میں جو سیدنا مسیح سے قریباً پانچ سو(۵۰۰) سال پہلے لکھی گئی اس صداقت کی ایک جھلک ہم کو دکھاتی ہے اور اس میں پرزور الفاظ میں لکھا ہے "رب الافواج فرماتا ہے کہ آفتاب کے طلوع سے اس کے غروب تک میرا نام اقوام عالم کے درمیان بزرگ ہو گا" (ملاکی ۱:۱۱)۔

ہم کہاں تک اقتباس کرتے جائیں اور کس کس کتاب میں سے اقتباس کرتے جائیں ہم نے بخوفِ طوالت حضرت حجی کا(۵۲۰ق۔م) یوایل نبی، ہوسیع نبی (۷۴۰۔ق۔م) دانی ایل وغیرہ کی کُتب کا ذکر نہیں کیا۔ لیکن عہد عتیق کی کتب شروع سے لے کر آخر تک یہ ظاہر کرتی ہیں کہ بنی اسرائیل کے انبیاء مرسل اور زبور نویس سب کے سب اس بات کی تلقین کرتے ہیں کہ اہل یہود کو خدا نے صرف اس مقصد کی خاطر اقوام عالم میں سے چن لیا ہے کہ ان کے ذریعہ خدا کا علم اکناف (کنف کی جمع، کنارے، سمتیں) واطراف اور اقصائے (بہت دور) عالم میں پھیل جائے تا کہ تمام روئے زمین کی اقوام خدا کی نجات کو نورُ سے منور ہو جائیں۔

(۲)

بنی اسرائیل نے سیدنا مسیح سے دو سو پچاس (۲۵۰) سال سے لے کر ایک سو پچاس (۱۵۰) سال پیشتر تک اپنی الہامی کُتب کا ترجمہ یونانی زبان میں کیا تا کہ اس نصب العین اور اپنی بھاری ذمہ داری کو پورا کرے۔ یونانی زبان ان دنوں میں تمام مہذب ممالک اور اقوام کی زبان تھی۔ پس اس ترجمہ کے ذریعہ جو سپٹواجنٹ کہلاتا ہے اہل یہود نے کوشش کی کہ اپنے اس فرض سے جس کا بار خدا تعالیٰ کی طرف سے ان کے کندھوں پر ڈالا گیا تھا سبکدوش ہو (فارغ ہونا) جائیں اور خدا کی نجات کا علم ان سب پر ظاہر ہو جائے جو یونانی زبان سمجھ سکتے یا لکھ پڑھ سکتے تھے۔

تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ یہ ترجمہ غیر یہود کو خدا کے پاس لانے میں اس قدر موثر ثابت ہوا کہ اس کو الہامی ترجمہ قرار دے دیا گیا اور سیدنا مسیح کے زمانہ میں یہ ترجمہ اس قدر مقبول عام تھا کہ آپ کے حوارئین اس کو استعمال کیا کرتے تھے۔ اس ترجمہ کا وجود اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ اہل یہود اور ان کے انبیاء کی نظر تنگ نہ تھی بلکہ وہ اپنے مذہب کو کل دنیا کے لئے نور اور برکت کا باعث خیال کرتے تھے۔

(۳)

رسولِ عرب حضرت محمد جیسے نکتہ شناس شخص نے بھی اس حقیقت کو بخوبی سمجھ لیا، اگرچہ ان کے پیرو اس نکتہ کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ چنانچہ قرآن میں آیا ہے کہ "موسیٰ کی کتاب امام اور رحمت ہے" (سورہ ہود آیت ۲۰)۔ "ہم نے تورات نازل کی جس میں ہدایت اور نور ہے" (مائدہ آیت ۴۸)۔ "ہم نے موسیٰ کو کتاب دی جو لوگوں کو راہ سمجھانے والی اور ہدایات اور رحمت تھی۔ تو کہہ اگر تم سچے ہو تو تم اللہ کی طرف سے کوئی ایسی کتاب لاؤ جو ہدایت میں ان دونو (یعنی تورات اور قرآن) سے بڑھ کر ہو تو میں (محمد) اسی پر چلنے لگوں گا" (قصص آیات ۴۳ و ۴۹)۔ مذکورہ آیات اور دیگر قرآنی آیات سے (جن کا اقتباس کرنے سے ہم پرہیز کرتے ہیں) ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ رسول عربی اہل یہود کے ساتھ اس بات پر متفق تھے کہ یہودی کتب مقدسہ کل دُنیا کی پیشوا، رحمت، ہدایت اور نور ہیں جو لوگوں کو راہ سمجھانے والی ہیں اور آنحضرت اسی واسطے ان پر عمل پیرا بھی تھے۔

(۴)

سیدنا مسیح کی پیدائش سے دو صدیاں پہلے بنی اسرائیل کی تاریخ میں ایک زمانہ آیا جب یونانی اہل یہود پر حکمران تھے۔ اس زمانہ میں یونانی حکمرانوں نے سر توڑ کوشش کی کہ یونانی تہذیب اور کلچر یہودیت پر غالب آجائے۔ معاملات نے یہاں تک طول پکڑا کہ یہودیت اور یہودی مذہب کی جان خطرے میں پڑ گئی۔ کیونکہ اہل یہود میں بہت سے لوگ ایسے تھے جو یونانی تہذیب و خیالات سے متاثر ہو چکے تھے۔ جس طرح فی زمانہ ہندوستان کے ہندوؤں اور مسلمانوں میں بہت سے ایسے ہیں جو مغرب کے عاشق اور مغربی خیالات کے گرویدہ اور مغربی رسومات کے شیدائی ہیں۔ بعینہ اسی طرح اہل یہود میں سے بہت لوگ ایسے تھے جو فاتح حکمران یونانیوں کے خیالات اور رسومات وغیرہ سے اس قدر مانوس ہو گئے تھے کہ وہ اپنے مذہب اور دین حلقہ کے اصول کو عملاً خیر باد کہہ چکے تھے۔ پس حالات جس طرح دور حاضرہ کے کٹر ہندو یا کٹر مسلمان اپنے دین و مذہب کی حفاظت کی خاطر اور مغرب زدہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو اپنے حلقہ کے اندر رکھنے کی خاطر مغرب سے بیزاری اور نفرت رکھتے ہیں۔ بعینہ اسی طرح مسیح سے دو صدیاں پہلے اہل یہود اپنے مذہب کی حفاظت کی خاطر اور اپنے دین کے اصولوں کو برقرار رکھنے کے لئے تمام غیر یہودی اقوام سے بیزاری حقارت، کینہ اور دشمنی رکھنے لگ گئے۔ مثال کے طور پر ہم یہاں ایک مضمون "مسلمان کی ذہنیت" کا جو اہل حدیث مورخہ ۷ اکتوبر ۱۹۳۲ء میں شائع ہوا تھا ملخص دیتے ہیں ایسے مضامین ہر روز ہندو مسلمان اخباروں میں شائع ہوتے ہیں۔ جو کنعان کے ان یہودیوں کی ذہنیت کو ہم پر آشکارا کر سکتے ہیں۔

"مسلمانوں کی حالت اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ جس قدر ان میں مغربی تعلیم ترقی پذیر ہوتی جاتی ہے اسی قدر ان میں مذہبی احساس تنزل پذیر ہوتا جاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مطمع نظر محض تعلیم اسلام کی ترمیم اور تنسیخ کرنا ہے اور بس جب کوئی امر شرعی نقطہ نگاہ سے ان کے

سامنے پیش کیا جاتا ہے تو اس کو اپنی منظور نظر مغربی تہذیب کے خلاف پا کر نہایت حقارت آمیز لہجہ سے رد کر دینے سے ان کو مطلق باک نہیں ہوتا۔ وہ اسلام کو آباواجداد کی رسوم پارینہ (پُرانا) سے زیادہ وقعت نہیں دیتے۔ یہ روشن خیال مسلمان شریعت اسلام کی پابندی کو مد نظر رکھے بغیر مسلم قوم پر نیا رنگ چڑھانے اوران میں مغربی تہذیب کی نئی جھلک پیدا کرنے کی کوشش میں سرگرم نظر آتے ہیں۔ یہ خیالات مسلمانوں کی کس قدر خطرناک ذہنیت کا اظہار کرتے ہیں کہ باوجود مسلمان کہلانے کے اللہ اوراس کے رسول کے نام سے اس قدر نفرت پیدا ہو۔ اس سے اہل مشرق متاثر ہو رہے ہیں کہ معالم شریعت اور شعائر (قربانیاں، نشانیاں، رسوم، فرائض) اسلام ان کے دلوں سے محو ہوتے جاتے ہیں۔ آج خود مسلمان اسلام کے طرزِ تمدن پر، اس کی تعلیم پر، اس کے تخیل پر اس کے اصول و فروغ پر نکتہ چینی کر رہے ہیں۔ خدانخواستہ اگر یہی حالت اور رہی تو مسلمان صفحہ ہستی سے مٹ جائیں گے۔ اللہ نے صاف فرمایا تھا کہ مسلمانو تم اپنے ان دوست نما دشمنوں سے قطعاً دوستی پیدا نہ کرو مگر یہ انہی میں جذب ہوتے چلے جاتے ہیں۔ مسلمانو تم اسلام کے سچے اور پکے پرستار بن جاؤ اوراپنا دستور العمل محض کلام اللہ اور حدیث رسول اللہ کو بنالو"۔

بعینہ اسی طرح کنعان کے اہل یہود کو یہ خوف لاحق ہو گیا تھا کہ مبادا ان کے بچے رومی یونانی تہذیب سے متاثر ہو کر اپنی جداگانہ ہستی کو کھو بیٹھیں اور مشرک کفار میں جذب نہ ہو جائیں اوران کی "مہذب" سوسائٹی اور طرز معاشرت اور طریق تمدن کو اختیار کر کے موسوی شریعت سے روگردانی اختیار نہ کر لیں۔ پس وہ ہر بات سے جس سے یونانیت کی بُو آتی تھی نہ صرف گریز کرتے تھے اور دوسروں کو اس سے دور رہنے کی تعلیم دیتے تھے، بلکہ اس سے نفرت اور عداوت رکھتے تھے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ یہود ا اور غیر یہود کے درمیان ایک خلیج قائم ہو گئی جو امتداد زمانہ سے زیادہ وسیع ہوتی گئی۔ یہ خلیج ہم کو خداوند کے زمانہ میں انجیل کے ورقوں سے ذریعہ دکھائی دیتی ہے۔

پس ان بیرونی حالات اور تاثیرات کی وجہ سے ارض مقدس کنعان میں رہنے والے یہودی پہلی صدی قبل از مسیح اپنے قوم کے حقیقی نصب العین کو فراموش کر چکے تھے۔ بنی اسرائیل کے وہ شرکا جو یہودیہ اور یروشلیم میں رہتے تھے غیر اقوام سے دشمنی اور عداوت رکھتے تھے اور یہ عداوت اس درجہ تک پہنچ چکی تھی کہ وہ غیر یہود کے ساتھ خواہ وہ یونانی تھے یا سامری کسی قسم کا تعلق نہیں رکھتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہودیہ اور یروشلیم کے رہنے والے یہودی اپنے قومی تعصبات سے اس قدر بھر گئے کہ انہوں نے اپنی کتب مقدسہ کے احکام سے روگردانی اختیار کر لی۔ اور غیر یہود میں تبلیغ کا کام چھوڑ دیا۔ انہوں نے اپنے انبیا کے پیغام کو پس پشت پھینک دیا اوراپنے نصب العین سے بے تعلقی اختیار کر لی۔ چنانچہ دور حاضرہ کا یہودی فاضل ڈاکٹر مونٹی فیوری کہتا ہے کہ

> "ربیوں کے زمانہ کی یہودیت غیر اقوام کی طرف سے بے پروا تھی۔ اس زمانہ کے یہودی ان کو نفرت اور حقارت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے اور غیر یہود کفار کو پرلے درجے کے جہنمی خیال کرتے تھے"

(Judaism and Paul p.56)

ایک اور جگہ یہی عالم ہم کو بتلاتا ہے کہ

" اگرچہ بعض اوقات ربی کہنے کو تو کہے دیتے تھے کہ جس طرح بنی اسرائیل ابراہیم کی اولاد ہیں اسی طرح غیر اقوام میں سے جو یہودی مذہب قبول کرتے ہیں وہ بھی ابراہیم کی اولاد ہیں لیکن عملی طور پر غیر اقوام کو یہودیت کے حلقہ بگوش ہونے میں سخت اور بے شمار مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا"۔

(Hibbert Journal, July 1912.p 767 to 773)

یہود کے سردار کاہنوں نے خدا کی ہیکل (بیت اللہ) کے اس حصہ کو جو غیر اقوام کی عبادت کے لئے مخصوص تھا تجارت کرنے والوں کو دے رکھا تھا (مرقس ۱۱: ۱۵)۔ جہاں تک ان کا بس چلتا وہ کسی قوم کو وہاں پھٹکنے نہیں دیتے تھے۔ ایک دفعہ مقدس پولوس اپنے ساتھ ایک غیر یہودی "ٹروفی مس" کو جو افسس کا رہنے والا تھا غیر اقوام کی جائے مخصوص میں لے گیا تھا تو اہلِ یہود اس پر ٹوٹ پڑے تھے (اعمال ۲۱: ۲۹)۔ یوں اہلِ یہود کے قائدین اعظم نے خدا کی ہیکل کی بنیاد کو اپنے تبلیغی فرض کے انکار پر قائم کر رکھا تھا۔ "ہیکل کے اندر اسرائیلی احاطہ اور غیر اقوام کے احاطہ کے درمیان پتھر کی ایک دیوار حدِ فاصل (فاصلے کو قائم رکھنے والی حد) قائم تھی۔ جس پر یونانی اور لاطینی زبانوں میں یہ کتبہ لکھا تھا۔ کسی غیر یہود کو اندر داخل ہونے کی اجازت نہیں۔ اگر کوئی اس قانون کو توڑ کر حد سے تجاوز کرے گا تو اس کو سزائے موت دی جائے گی۔ جس کے لئے اس شخص کے سوائے کوئی اور ذمہ دار گردانا نہیں جائے گا"۔

ہاں وہ یہودی جو ارض مقدس کنعان کے باہر رہتے تھے اور جن کا سابقہ رات دن غیر یہود سے پڑتا تھا اور جو یونانی رومی تہذیب سے قدرے متاثر ہو چکے تھے وہ تنگ نظر نہ تھے۔ وہ قدرتی طور پر وسیع الخیال واقع ہوئے تھے۔ قومی تعصبات نے ان کے دل سے ان کی ہستی کے حقیقی نصب العین کو مٹا نہیں دیا تھا اور وہ اپنی کتب مقدسہ کے احکام کو فراموش نہیں کرتے تھے اور غیر اقوام میں خداوند کی معرفت کا علم پھیلانے میں کوشاں رہتے تھے۔ پس ارضِ مقدس کی حدود کے باہر یہودی حلقہ میں ایسے خداترس لوگ موجود تھے جو اہل یہود کے وجود کے مقصد اور نصب العین کو پیش نظر رکھتے تھے۔ وہ اس بات کو فراموش نہیں کرتے تھے کہ اہل یہود کا صدیوں سے یہ نصب العین رہا تھا کہ ان کا وجود دنیا کے لئے موجبِ برکت و نجات ہے۔ پس اگرچہ سیدنا مسیح کے زمانہ میں کنعان کے اہل یہود غیر اقوام کو ان کی بُت پرستی اور دیگر قبیح (شرمناک، معیوب) رسوم کی وجہ سے نفرت اور حقارت سے دیکھتے تھے۔ تاہم اس گئے گذرے زمانہ میں بھی کنعان کے باہر یہود کا تبلیغی کام دیگر اقوام کے درمیان نہایت وسیع پیمانہ پر جاری تھا (متی ۲۳: ۱۵)۔ یہودی مورخ یوسیفس کی تصنیفات سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ

اہل یہود مرید کرنے کے لئے خشکی اور تری، زمین اور سمندر کا سفر کیا کرتے تھے۔ ان کے درمیان کتب مباحثہ و مناظرہ رائج تھیں جن کے ذریعہ وہ دیگر اقوام پر ان کے معبودوں کی بطالت اور بُت پرستی کی خدمت اور یہودیت کی صداقت کو ثابت کیا کرتے تھے۔

عبادت خانوں میں "بیگانوں" کو جانے کی اجازت تھی اور یہودی مذہب کے تبلیغی کام کے لئے عبادت خانوں کا استعمال وسیع پیمانہ پر کیا جاتا تھا۔ جس پر انجیل جلیل بھی ناطق (بولنے والا، دوسرے کو عاجز اور خاموش کر دینے والا) ہے چنانچہ لکھا ہے کہ "قدیم زمانہ میں ہر شہر میں جو موسیٰ کی توریت کی

منادی کرنے والے ہوتے چلے آئے ہیں اور وہ سبت کو عبادت خانوں میں سنائی جاتی ہے تا کہ باقی آدمی یعنی سب دیگر قومیں جو میرے نام کی کہلاتی ہے خداوند کو تلاش کریں (اعمال ۱۵:۱۷،۲۱)۔

پروفیسر ایڈورڈ مائر (Edward Meyer) کا اندازہ ہے کہ

> اسوری اور بابل کی اسیریوں سے پہلے بنی اسرائیل کے دوزادہ قبائل کی کل تعداد ساڑھے سات لاکھ تھی۔ لیکن ان واقعات کے چھ صدیاں بعد جب بنی اسرائیل سلطنتِ روم کے ماتحت تھے اہل یہود کی تعداد چالیس اور ستر لاکھ کے درمیاں تھی۔ رومی سلطنت کے اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ اس سلطنت کی آبادی میں ایک ہزار شخص میں سے ستر اشخاص یہودی تھے۔

(Legacy of Israel p.29)

اس اعداد و شمار سے ہم کچھ اندازہ لگا سکتے ہیں اہل یہود نے ان چھ صدیوں میں غیر اقوام میں سے کتنے لاکھ اشخاص کو یہودیت کا حلقہ بگوش کر لیا تھا۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ پہلی صدی قبل از مسیح اور پہلی صدی عیسوی میں یونانی رومی دنیا میں ان یہودی مبلغین نے ارض مقدس کے باہر تبلیغ کا سلسلہ ایسے وسیع پیمانہ پر جاری کر رکھا تھا کہ جب مسیحی مبلغین مسیحیت کی منادی کے لئے ایشیائے کوچک اور یونان کے شہروں میں گئے تو وہاں ان کو غیر اقوام میں سے یہودی نومریدوں کے گروہ ملے جنہوں نے اپنے مذاہب باطلہ کو خیر باد کہہ رکھا تھا اور وہ اسرائیل کے واحد خدا پر ایمان لے آئے تھے۔ یوں مسیحی مبلغین کو ایک تیار زمین ملی جس میں انہوں نے انجیل کا بیج بویا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یونانی رومی دنیا کی غیر اقوام موحد گروہ یہودیت کو چھوڑ کر مشرف بہ مسیحیت ہو گئے۔

(۵)

پس جب اہل یہود کی تاریخ پر نظر کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ منجی عالمین اور آپ کے حوارئین کے زمانہ تک اہل یہود صدیوں سے یہ مانتے چلے آئے تھے کہ ان کی قوم کو خدا نے روئے زمین کی اقوام میں سے چن لیا ہے تا کہ وہ اپنے روحانی پیغام کے ذریعہ تمام دنیا کے برکت پانے کا وسیلہ ہوں۔ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ آسمان کی بادشاہت کے قائم ہونے سے یہ برکت اقوام عالم کو ملے گی اور کہ اس بادشاہت کو قائم کرنے والا ایک فوق الفطرت شخص ہو گا۔ جو یہودی نسل میں سے ہو گا۔ ان کی کتب مقدسہ اس شخص کی آمد کی منتظر تھیں۔ بالفاظ دیگر یہودی قوم کی کتب مقدسہ میں اس بات کا انتظار پایا جاتا ہے کہ یہودی مذہب میں سے ایک مذہب نکلے گا جو عالم گیر ہو گا اور جس کا قیام مسیح موعود کی ذات اور شخصیت کے ساتھ وابستہ ہو گا۔

(۶)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ ممکن ہے کہ کلمتہ اللہ تورات مقدس اور صحائف انبیاء کا مطالعہ کر کے اوران کے مطمح نظر سے واقف ہو کر اور یہودی مذہب کے نصب العین کو مدِ نظر رکھ کر اوراہل یہود کی سر توڑ تبلیغی مساعی سے واقف ہو کر اوراپنے آپ کو مسیح موعود جان کر جس کی ذات کے ساتھ اقوام عالم کی نجات وابستہ تھی خوداپنی رسالت کے دائرہ کو جان بوجھ کر تنگ کر دیتے اورایسے کوتاہ بین ہوتے کہ اپنے مشن کو صرف اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے لئے ہی محدود محال کرتے ؟ کیا کوئی صحیح العقل شخص ایسی بات تسلیم کر سکتا ہے ؟ اگر خداوند کا ایسا خیال ہوتا تو وہ اپنے ہمعصر یہود سے بھی زیادہ تنگ خیال تنگدل اور کوتاہ بین ہوتے ۔ لیکن کیا یہ حق ہے کہ کلمتہ اللہ اپنے زمانہ کے یہود سے بھی زیادہ تنگدل اور کوتاہ بین واقع ہوئے ہوتے ؟ جس شخص نے قرآن شریف اور انجیل جلیل کا سرسری مطالعہ بھی کیا ہے وہ فوراً اس سوال کا جواب نفی میں دے گا۔ انجیل کا سطحی مطالعہ بھی اس بات کو ظاہر کر دیتا ہے کہ کلمتہ اللہ کے دل اور دماغ پر اس خیال کا تسلط تھا کہ آپ ہی وہ مسیح موعود ہیں جس کے وسیلے دنیا کی کلُ اقوام برکت پائیں گی جو شخص کنفوشیس سے واقف ہے وہ اس کو چین کا نبی کہے گا۔ مہاتما بدُھ کی ذات ہندوستان سے مخصوص ہے۔ حضرت محمد صاحب کو محمد عربی ہے کہا جاتا ہے ۔ لیکن کلمتہ اللہ کو کوئی شخص گلیلی نبی نہیں کہتا ہے۔ آپ کو ”ابن آدم“ ہی کہا جاتا ہے جس سے ظاہر ہے کہ آپ کا پیغام تمام دنیا کی تمام اقوام کے تمام آدمیوں کے لئے نجات اور انجیل یعنی ”خوشخبری“ کا پیغام تھا۔

(۷)

انجیل جلیل کے مطالعہ سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ سیدنا مسیح کے ہمعصر اہلِ یہود میں سے جو لوگ مسیحِ موعود کے منتظر تھے۔ ان کا بھی یہی خیال تھا۔ مسیح موعود کا وجود اہل یہود اور دیگر اقوام کے لئے نور اور برکت کا موجب ہو گا۔ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ خداوند قدوس اور کل دنیا کا خالق ہے۔ خدا کی وحدانیت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ خدا کل اقوام عالم کا واحد پروردگار ہو۔ لہذا وہ اس بات کے قائل تھے کہ مسیح کی بادشاہت میں ہر قوم اور ملک کے راستباز شریک ہونگے پس جو ”خداترس“ مسیح موعود کے منتظر تھے ان کا یہ ایمان تھا کہ وہ اپنی ”آنکھوں“ سے خدا کی ”نجات“ کو دیکھیں گے جو خدا نے مسیح موعود کے وسیلے ”سب اُمتوں کے روبرو تیار کی بنے تا کہ وہ اقوام عالم کو روشنی دینے والا نور اور اسرائیل کا جلال ہے“ (لوقا ۲:۳۲)۔ یہ سب راستباز منتظر اس امید میں تھے کہ مسیح موعود کے ذریعہ زبولون کا علاقہ اور نفتالی کا علاقہ دریا کی راہ، یردن کے پار غیر یہود اقوام کی گلیل میں جو لوگ اندھیرے میں بیٹھے ”ہوں گے وہ بڑی روشنی“ دیکھیں گے اور جو ”موت کے ملک اور سایہ میں بیٹھے“ ہوں گے ان پر روشنی چمکیگی“ (یسعیاہ ۹:۱ تا ۲، متی ۴:۱۵)۔

حضرت یوحنا بپتسمہ دینے والے نے جو مسیح موعود کا پیشرو تھا اپنے ہمعصروں کو یہ جتلا دیا تھا کہ ”توبہ کے موافق پھل لاؤ اور اپنے دلوں میں یہ کہنا شروع نہ کرو کہ ابراہیم ہمارا باپ ہے کیونکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا ان پتھروں سے ابراہیم کے لئے اولاد پیدا کر سکتا ہے“ (لوقا ۳:۸) اس کا مطلب یہ تھا کہ ہر قوم کا آدمی جو صالح اعمال کرے گا نجات پائے گا اور وہی مسیح موعود کا حقیقی پیرو ہو گا نہ کہ وہ اپنے آپ کو آلِ ابراہیم کہے گا اور اہل اسرائیل کے زمرہ میں شمار ہو گا۔

یہاں وہی سوال پھر پیدا ہوتا ہے کہ کیا کلمتہ اللہ اپنے انتظار کرنے والوں اوراپنے پیشرو حضرت یوحنا بپتسمہ دینے والے سے بھی زیادہ تنگ خیال اور کوتاہ نظر تھے کہ وہ اپنی رسالت کو صرف اہل یہود تک ہی محدود خیال کرتے ؟ آپ کے پیشرو کا یہ قول تھا کہ "جو مجھ سے زور آور ہے وہ آنے والا ہے میں اس کی جوتی کا تسمہ کھولنے کے لائق نہیں" (لوقا ۳:۱۶)۔ انجیل جلیل کا ہر ناظر (محافظ) یوحنا بپتسمہ دینے والے کے قول کی تصدیق کر کے کہے گا کہ یقیناً کلمتہ اللہ اپنے ہمعصر یہود سے اپنے انتظار کرنے والوں سے اوراپنے پیشرو سے کہیں زیادہ فراخ دلی اور دورُ بین واقع ہوئے تھے (متی ۹: ۱۴۔ ۱۱: ۲، لوقا ۱۱: ۳۱، ۳۲۔ مرقس ۷ باب، متی ۱۵: ۱۲) اہل یہود کے حقیقی نصب العین کے علم میں ابن اللہ اپنے ہمعصروں سے بہت دورُ نکل گئے تھے اوراس کا حضرت یوحنا بپتسمہ دینے والے کو خود اقرار ہے (یوحنا ۱: ۳۰، متی ۱۱: ۱۱) کلمتہ اللہ کی نجات کا پیغام اس قدر وسیع تھا کہ وہ کل بنی آدم پر اور ہر زمانہ اور ہر ملک اور ہر قوم کے ہر فرد بشر پر حاوی تھا (یوحنا ۳:۱۶) وغیرہ۔

فصل سوم

سیدنا مسیح کے کلماتِ طیبات

اور

آپ کا طرزِ عمل

اس سوال کے جواب میں کہ آیا مسیحیت عالم گیر مذہب ہے یا کہ نہیں منجیِ جہان کے اقوال اوراحکام آپ کی ہدایات اورآپ کالائحہ عمل اور طرزِ عمل ہی فیصلہ کن امور ہوسکتے ہیں۔ اگر کلمتہ اللہ کے کلماتِ طیبات، پیغاماتِ ہدایات اور طرزِ عمل سے یہ ثابت ہو جائے کہ آپ کے خیال میں آپ کی رسالت صرف اہل یہود تک ہی محدود تھی۔ تو مخالفین کے اعتراضات حق بجانب ہونگے اور ہم کو اس بات کا اقرار کرنا پڑے گا کہ کلمتہ اللہ صرف ایک یہودی مصلح تھے اور دیگر انبیاء اور مرسلین کی مانند صرف ایک نبی اور مرسل من اللہ تھے۔ لیکن اگر ابن اللہ کے اقوال واحکام وپروگرام، پیغام اور طرزِ عمل سے یہ ثابت ہو جائے کہ آپ کے اپنے خیال میں آپ کی رسالت اہل یہود اور دیگر اقوام دونوں کے لئے تھی تو صحیح اصول تفسیر کے مطابق جن کا ذکر فصل اول میں کیا گیا ہے مسیحیت کا دعویٰ حق بجانب ہو گا کہ اس کا بانی فی الحقیقت دنیا کا منجی ہے (یوحنا ۴: ۴۲) اور ایک ایسی لاثانی اور یکتا ہستی ہے جس کی نظیر روئے زمین پر نہیں ملتی اور اگر یہ نتیجہ درست ہے تو خداوند کے ان اقوال کا جو ان آیات میں درج ہیں جن کی بنا پر اعتراض کیا گیا ہے وہ مطلب ہر گز نہیں جو معترض نے لیا ہے۔ بلکہ ان اقوال کے مطالب ومعانی اور غرض وغایت کچھ اور ہی ہو گی۔

سیدنا مسیح اور عہد عتیق کی کتُب

گذشتہ فصل میں ہم ذکر کر چکے ہیں کہ کلمتہ اللہ نے عہد عتیق کی کتُب کے گہوارہ میں پرورش پائی۔ سیدنا مسیح نے اپنی کتب مقدسہ کا بچپن ہی سے مطالعہ کیا اور خدا کے ارادہ اور مقصد اور رضائے الہیٰ کی نسبت مستفسر (محقق، تحقیق کرنے والا) رہے (لوقا ۲: ۴۰ تا آخر)۔ آپ نے ان کتب کے مطالعہ کو ہمیشہ حرزِ جاں بنایا (بہت عزیز سمجھنا، بے حد احتیاط سے رکھنا) اور دکھ مصیبت اور تکلیف میں یہی کتب آپ کی تسلی کا باعث تھیں (زبور ۴۳: ۵۔ ومتی ۲۶: ۲۸۔ زبور ۶: ۴، ۴۲: ۶ ویوحنا ۱۲: ۲۷: زبور ۲۲: ۲ ومتی ۲۷: ۴۶، زبور ۳۱: ۵ ولوقا ۲۳: ۴۶ وغیرہ)۔ آپ کا علم اس قدر وسیع تھا کہ آپ ان کتب کی ایک ایک بات سے واقف تھے اور اپنی تعلیم میں بیسوں (۲۰) دفعہ آپ نے ان کتب کے واقعات واشخاص کا ذکر کیا (یسعیاہ ۵۱: ۱۷، یوحنا ۱۸: ۱۱، متی ۲۶: ۳۹۔ حبقوق ۲: ۱۱، ولوقا ۱۹: ۴۰۔ زبور ۶: ۸ ومتی ۷: ۲۳، زبور ۱۴۷: ۹، لوقا ۱۲: ۲۴۔ یرمیاہ ۲۲: ۵۔ ومتی ۲۳: ۳۸، زبور ۱۱۸: ۲۶: ومتی

۲۳:۳۹۔ ہوسیع ۱۰:۸، لوقا ۲۳:۳۰۔ زبور ۹۱:۱۳۔ ولوقا ۱۰:۱۹۔ یسعیاہ ۶:۹۔ لوقا ۸:۱۰۔ یسعیاہ ۱۴:۱۳۔ ولوقا ۱۰:۱۵۔ میکاہ ۷:۶۔ ولوقا ۱۲:۵۳، یسعیاہ ۱۹:۲۔ ولوقا ۲۱:۱۰۔ متی ۶:۲۹۔ ۱۲ باب آیات ۳، ۴۰، ۴۲، ۲۳:۳۵۔ لوقا ۴ باب، ۲۷، ۱۷:۲۶، ۲۹۔ یوحنا ۸:۴۰ وغیرہ وغیرہ)۔

مذکورہ بالا حوالہ جات اس بات کو ظاہر کرنے کے لئے کافی ہیں کہ سیدنا مسیح کتب عہدِ عتیق اور صحفِ انبیاء سے کماحقہ واقف تھے۔ آپ ان کتب کو ان نگاہوں سے نہیں پڑھتے تھے جن سے آپ کے ہمعصر ان کا مطالعہ کرتے تھے۔ کنعان کے یہود کے کے لئے یہ کتب شرع اور الہیٰ احکام کا فقط ایک مجموعہ تھیں۔ جن کی شرح اور تفسیر کرنا ربیوں اور فقیہوں کا کام تھا۔ سکندریہ کے یہود کے نزدیک یہ کتب پوشیدہ اور مخفی رازوں کا ایک مجموعہ تھیں۔ جن کو وہ اپنے فلسفیانہ نظریوں کے مطابق سمجھنا اور لوگوں کو سمجھانا چاہتے تھے۔ لیکن کلمتہ اللہ کی نظر میں یہ کتب خدا کے ساتھ رفاقت رکھنے کا ذریعہ تھیں۔ فقہا ان میں علمِ فقہ کے نکتے ڈھونڈتے تھے۔ فلاسفر ان میں اپنے فلسفہ کا سہارا پاتے تھے۔ لیکن کلمتہ اللہ ان کتُب میں خدا کے ازلی ارادوں کی تلاش کرتے تھے۔

خرد کی گتھیاں سلجھا چکے سب
میرے مولا مجھے صاحبِ جنوں کر

الہیٰ مقاصد سے واقف ہو کر کلمتہ اللہ رضائے الہیٰ کو پورا کرنا اپنا فرض اولین سمجھتے تھے (مرقس ۱۲:۲۴: تا آخر۔ متی ۱۹:۸ وغیرہ)۔

پس کلمتہ اللہ اس بات سے کماحقہ واقف تھے کہ خدا نے قوم اسرائیل کو چنا ہے تاکہ اقوام عالم میں خدا کی معرفت کا علم اکنافِ (کنف کی جمع ،اطراف) عالم تک پہنچائے۔ آپ کو یہ احساس تھا کہ آپ شریعت موسیٰ اور صحائفِ انبیاء کا نصب العین ہیں (لوقا ۴:۲۱) آپ نے اپنی خدمت کی ابتدا میں علی الاعلان (گواہوں کے روبرو، بے روک ٹوک) یہودی عبادت خانے میں فرمایا کہ صحائفِ انبیاء آپ کی ذات میں پوری ہوئیں۔ آپ نے عامتہ الناس کو صریح (صاف) الفاظ میں بتلادیا کہ آپ شریعت اور صحائف انبیاء کو کامل کرنے کی غرض سے اس دنیا میں آئے ہیں اور فرمایا کہ آسمان وزمین ٹل جائیں لیکن کتب مقدسہ کا آپ کی ذات میں مبارک میں کامل ہونا لازمی اور لاابدی امر ہے (متی ۵:۱۷:۱۷)۔ چنانچہ اپنی زندگی کے آخری لمحوں میں آپ نے صلیب پر سے یہ اعلان فرمایا کہ آپ نے سب کچھ کامل کر دیا (یوحنا ۱۹:۳۰)۔ آپ نے خدا کے ازلی ارادہ اور مقصد کو پورا کرنے کے لئے یہودی کتب مقدسہ میں ان تمام امور کو یکسر خارج کر دیا جو غیر یہود کو خدا کے پاس آنے کی راہ میں حائل تھے، تاکہ یہود اور غیر یہود اور کلُ بنی نوع انسان خدا کی نجات سے بہرہ ور ہو کر خدا کی عالمگیر بادشاہت کے وارث ہو جائیں۔

سیدنا مسیح کی تعلیم کی بنیاد

سیدنا مسیح کی تعلیم کی اساس یہ ہیں کہ خدا کل بنی نوع انسان کا باپ ہے اور کلُ جہان کے انسان ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ چنانچہ آپ نے اس حقیقت پر نہایت زور دیا (متی ۷:۲۱ وغیرہ)۔ صرف پہاڑی وعظ میں آپ نے خدا کو ۷ دفعہ "باپ" کے نام سے موسوم کیا ہے۔ آپ نے یہ تعلیم دی کہ خدا جو ہمارا باپ ہے وہ رب العالمین اور دنیا کا پروردگار ہے اس کی ذات محبت ہے اور اس کی لازوال محبت یہ گوارہ نہیں کرتی کہ دنیا کا کوئی فرد بشر بھی

خواہ وہ کسی قوم یا نسل کا ہو نجات سے محروم رہ جائے (یوحنا۳:۱۶ وغیرہ)۔ پس کلمتہ اللہ کی تعلیم کے مطابق خدا کی محبت اور ابوت پروردگاری اور نجات کسی خاص قوم، ملک، طبقہ، نسل، قبیلہ، ملت یا فرد تک ہی محدود نہیں بلکہ وہ تمام دنیا پر بلا کسی امتیاز کے حاوی ہے (متی ۵ باب ۴۴ آیت تا آخر وغیرہ)۔ پس جب آنخداوند کی تعلیم کی بنیاد ہی ایسی ہے تو صحیح اصولِ تفسیر کے مطابق کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ سیدنا مسیح کی نگاہ صرف اہل یہود تک ہی محدود تھی کیونکہ یہ عالمگیر تعلیم انجیل کی کسی ایک آیت پر ہی مبنی نہیں بلکہ انجیل کے رگ وریشہ میں اور ہر صحفہ میں پائی جاتی ہے اور اس کے بغیر انجیل کی تعلیم کا تار و پود (تانا بانا) بکھر جاتا ہے۔

کلمتہ اللہ نے ہم کو یہ سکھلایا ہے کہ خدا دنیا کے ہر فرد بشر سے لازوال محبت کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تم "اپنے دشمنوں سے محبت رکھو تاکہ تم اپنے آسمانی باپ کے بیٹے ٹھہرو کیونکہ وہ اپنے آفتاب کو بدوں اور نیکوں دونوں پر چمکاتا ہے اور راستبازوں اور ناراستوں دونوں پر مینہ برساتا ہے۔ لازم ہے کہ تم بھی سب بنی نوع انسان سے کامل محبت رکھو جس طرح تمہارے آسمانی باپ کی محبت کامل ہے" (متی ۵ باب) خدا کی محبت ہر طرح کی فرقہ بندی اور ہر قسم کے امتیاز سے بلند و بالا ہے۔ جس طرح خدا ایک ہے۔ اسی طرح بنی آدم ایک ہیں اور ایک دوسرے کے اعضا ہیں (رومیوں ۱۲ باب وغیرہ)۔ اگر خدا ایک ہے تو وہ سب کا سلطان اور سب کے ساتھ یکساں محبت رکھنے والا ہے۔ کلمتہ اللہ کی یہ محیر العقول (عقلوں کو حیرانی میں ڈالنے والا) تعلیم دنیا کی کایا پلٹ دینے والی تعلیم ہے (رومیوں ۵:۶، ۸)۔ ہر فرد بشر قابل قدر اور وقعت ہستی ہے (متی ۵ باب وغیرہ)۔ اس تعلیم کے مطابق اہل یہود کو غیر یہود پر فوقیت حاصل نہیں اور نہ مختون کو غیر مختون پر کسی قسم کی فضیلت حاصل ہے۔ غلام اور آزاد کی تمیز اٹھ گئی (کلسیوں ۳:۱۱، رومیوں ۱۰:۱۲۔ ا کرنتھیوں ۱۲:۱۳، گلتیوں ۵:۶ وغیرہ)۔ کیونکہ "وہی سب کا خداوند ہے اور جو کوئی خداوند کا نام لے گا نجات پائے گا" (رومیوں ۱۰: ۱۲) اصول اخوت و مساوات مسیحیت کی روح رواں میں کل بنی نوع انسان خواہ وہ کسی ملک اور قوم اور نسل کے ہوں۔ ایک خدا کے ایک خاندان کے افراد ہیں جو خدا کو باپ کہتے ہیں (مرقس ۱۴:۳۶، رومیوں ۸:۱۵، گلتیوں ۴:۶ وغیرہ)۔

پس جب منجیِ عالمین کی تعلیم کے بنیادی اصول عالم گیر ہیں تو صحیح اصولِ تفسیر کے مطابق جس کا ذکر فصل اول میں کیا گیا ہے لازم ہے کہ ان آیات کو جو اعتراض کی بنا ہیں اس طور پر تفسیر کی جائے جو کلمتہ اللہ کی تعلیم کے مطابق ہو کیونکہ یہ تعلیم کسی ایک آیت یا دس بیس پچاس آیات پر منحصر نہیں۔ بلکہ آپ کی تعلیم کے اصول ہی عالمگیر تھے۔ کلمتہ اللہ کے مذہب کی عالمگیری انجیل کے رگ وریشہ میں پائی جاتی ہے۔ مثلاً پہاڑی وعظ میں کیا شے ہے جو یہودی مذہب یا کسی دوسری قوم کے ساتھ مختص ہو۔ "خداوند کی دعا" تمام بنی نوع انسان کی ضروریات کا خلاصہ ہے "برکات" (متی ۵:۱ تا ۹) کل نوع انسان پر حاوی ہیں۔ خدا اور انسان کے ساتھ محبت رکھنا، الہیٰ ابوت، انسانی اخوت و مساوات کے اصول ہیں بین الاقوامی اصول ہیں جو کل آدم زاد پر حاوی ہیں۔ کلمتہ اللہ نے جس اصول کی بھی تلقین فرمائی اس پر سطحی نگاہ بھی ڈالو تو کوئی بات ایسی نہ پاؤ گے جو کسی ایک قوم کے لئے اور دوسری اقوام پر اس کا اطلاق نہ ہوتا ہو۔

پس جب یہ امر مسلمہ ہے کہ کلمتہ اللہ کی تعلیم کے اصول کسی خاص ملک یا قوم یا زمانہ کے ساتھ مختص نہیں تو یہ درحقیقت اس امر کا اعتراف ہے کہ آپ کی تعلیم عالمگیر ہے۔ کیونکہ جس اصول کا تعلق تمام بنی نوع انسانی کے ساتھ ہو، اس میں کسی ایک قوم کو دوسری اقوام پر ترجیح نہیں ہو سکتی۔ بلکہ تمام اقوام اس میں یکساں طور پر شامل ہوتی ہیں اور وہ اصول تمام ممالک و ازمنہ اور اقوام کے واسطے ہوتے ہیں۔

ہم نے اوپر لکھا ہے کہ مسیحیت کی عالمگیری انجیل مقدس کی کسی ایک آیت یا منتشر آیات پر مبنی نہیں۔ اگر ہم اس عالمگیری کے ثبوت میں آیات کو درج کرنے لگیں تو ہم کو بے شمار آیات درج کرنی ہوں گی اور ہماری کتاب کے صفحے کے صفحے بھر جائیں گے۔ اگر ناظرین میں سے کسی کو شک ہو تو وہ خود اس نکتہ نظر سے انجیل شریف کی آیات کو نقل کر کے ہماری بات کی تصدیق کر سکتا ہے۔

سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کے لئے

حقیقت تو یہ ہے کہ مسیحیت کی عالمگیری انجیل کے تار و پود میں پائی جاتی ہے۔ صلیب پر کا کتبہ یونانی، لاطینی اور عبرانی زبانوں میں لکھا گیا تھا۔ (لوقا ۲۳: ۳۸)۔ یہ ایک تمثیل ہے جس سے ہم معلوم کر سکتے ہیں کہ صلیب تمام قوموں کے لئے نجات کی راہ ہے۔ پہلی تینوں انجیلیں ان تینوں اقوام کے لئے لکھی گئی ہیں جن کی زبانوں میں صلیب پر کا کتبہ تھا۔ مقدس متی کی انجیل عبرانیوں کی خاطر لکھی گئی تا کہ ان پر یہ ثابت ہو جائے کہ سیدنا عیسیٰ ہی ان کا مسیح موعود ہے۔ جس کی عبرانی قوم مدت سے منتظر تھی۔ مقدس مرقس کی انجیل روم میں لاطینی نسل کے اقوام کے لئے لکھی گئی جس میں آنخداوند کی وہ تصویر موجود ہے جو بالآخر سلطنت روم کو سیدنا مسیح کے قدموں میں لے آئی۔ مقدس لوقا کی انجیل یونانیوں کے لئے لکھی گئی اور اس کا مصنف خود غیر اقوام میں سے مشرف بہ مسیحیت ہوا تھا اور اس کی تصنیفات ظاہر کرتی ہیں کہ سیدنا مسیح نہ صرف قوم یہود کے مسیح موعود تھے، بلکہ دنیا کے منجی تھے۔ مقدس یوحنا کی انجیل میں جو کلمتہ اللہ کی تعلیم درج ہے اس کا کسی ایک قوم اور بالخصوص قوم یہود سے کوئی خاص واسطہ نہیں۔ اس انجیل کے پہلے باب میں درج ہے کہ مسیح خدا کا کلام ہے اور اس کی شخصیت تمام کائنات اور خلقت کا مبدا، مرکز اور انتہا ہے۔ اس انجیل میں صاف طور پر واضح کر دیا گیا ہے کہ مسیحیت کا پیغام عالمگیر پیغام ہے اور سیدنا مسیح کی شخصیت کل نوع انسان کی پناہ گاہ۔ آب و دانہ، روشنی اور زندگی ہے وہ کل عالم کی نجات کا دروازہ ہے (یوحنا ۱۰: ۹)۔ وہ دنیا کا نور ہے (یوحنا ۸: ۱۲، ۱: ۹ و یسعیاہ ۴۹: ۶ یوحنا ۹: ۵، ۱۲: ۴۶)۔ وہ زندگی کی روٹی ہے (یوحنا ۶: ۳۵۔ ۵۱: ۶)۔ وہ آبِ حیات ہے (یوحنا ۴: ۱۰: ۷: ۲۷)۔ وہ زندگی کا سرچشمہ ہے (یوحنا ۱: ۴۔ ۱۱: ۲۵۔ ۱۴: ۶)۔ وہ تمام اقوامِ عالم کے ان لوگوں کو دعوت دیتا ہے جو شیطان کی غلامی میں تاریکی اور ظلمت میں پڑے بھوکے اور پیاسے مر رہے ہیں (یوحنا ۶: ۵۳۔ ۷: ۳۷ وغیرہ)۔

آفتاب آمد دلیل آفتاب
گر دلیلت باید ازوے رومتاب

سیدنا مسیح کا لائحہ عمل

جب ہم انجیل شریف کو پڑھتے ہیں تو ہم پر یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ابتدا ہی سے سیدنا مسیح کی یہ دلی خواہش تھی کہ دنیا کی تمام اقوام خدا کی بادشاہت میں شامل ہو جائیں۔ چنانچہ انجیل میں وارد ہے کہ شیطان نے سیدنا مسیح کی اس خواہش کو مدِ نظر رکھ آپ کے سامنے یہ آزمائش پیش کی اور کہا تو چاہتا ہے کہ تو دنیا کی اقوام کو خدا کے لئے حاصل کرے۔ آ۔ میں تجھ کو اس مقصد کو حاصل کرنے کا طریقہ بتلاؤں۔ اگر تو ان وسائل اور ذرائع کو استعمال کرے جو میں تجھے بتاؤں گا تو اقوام عالم تجھ پر ایمان لے آئیں گی۔ لیکن خداوند نے شیطانی طریقوں اور وسیلوں کو استعمال کرنے سے انکار کر دیا (متی ۴: ۸ تا ۱۰)۔ آپ دنیا کی کل اقوام کو خدا کے واسطے حاصل کرنا چاہتے تھے۔ آپ کے دل میں یہ زبردست خواہش موجود تھی کہ اقوامِ عالم

خدا کی بادشاہت میں شریک ہو جائیں لیکن آپ اس اعلیٰ ترین مقصد کو حاصل کرنے کے لئے شیطانی ذرائع استعمال نہیں کرنا چاہتے تھے۔ بلکہ صرف اعلیٰ ترین وسائل کے ذریعہ خدا کی بادشاہت کو اقوام عالم میں قائم کرنا چاہتے تھے۔ پس آپ نے صلیب کا راستہ اختیار فرمایا اور علی الاعلان کہا کہ "ابن آدم اس لئے نہیں آیا کہ خدمت لے بلکہ خدمت کرے اور اپنی جان بہتیروں کے بدلے میں فدیہ میں دے" (متی ۲۰:۲۸)۔

(۲)

سیدنا مسیح نے اپنی خدمت کی ابتدا ہی میں اپنا لائحہ عمل یہودی اور دیگر اقوام کے سامعین کے سامنے عہدِ عتیق کے ان الفاظ میں پیش کیا جہاں مسیحِ موعود کی نسبت لکھا ہے کہ وہ اہلِ یہود اور دیگر اقوام کے لئے رسول ہو گا۔ یہودی کتبِ مقدسہ میں مسیحِ موعود کی رسالت کے لئے فعل مستقبل استعمال کیا گیا تھا کیونکہ یہ کتب آنخداوند کی آمد کی منتظر تھیں۔ لیکن خداوندِ عالمین ان الفاظ کا اقتباس کرتے وقت مستقبل فعل کی بجائے فعل حال استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ ناصرت کے عبادت خانہ میں ابن اللہ نے فرمایا" خداوند کی روح مجھ پر ہے اس لئے کہ اس نے مجھے غریبوں کو خوشخبری دینے کے لئے مسح کیا ہے۔ اس نے مجھے بھیجا کہ قیدیوں کو رہائی اور اندھوں کو بینائی پانے کی خبر سناؤں۔ کچلے ہوؤں کو آزاد کر دوں اور خداوند کے سال مقبول کی منادی کروں" خداوند نے عہدِ عتیق کی کتاب کے ان الفاظ کا اقتباس کر کے فرمایا کہ "آج یہ نوشتہ تمہارے سامنے پورا ہو گیا ہے" (لوقا ۴: ۱۸تا۲۱)۔ دوران تقریر میں کلمتہ اللہ نے ان غیر یہود مردوں اور عورتوں کا ذکر کیا جنہوں نے بنی اسرائیل کے انبیا کے ذریعہ برکت پائی تھی۔ آپ نے فرمایا" ایلیاہ کے دنوں میں بہت سی بیوہ عورتیں اسرائیل میں تھیں لیکن ایلیاہ (الیاس) ان میں سے کسی کے پاس نہ بھیجا گیا (مگر غیر یہود) ملک صیدا کے شہر صارپت میں ایک (غیر اسرائیلی) بیوہ عورت کے پاس۔ الیشع نبی کے وقت میں اسرائیل کے درمیان بہت سے کوڑھی تھے لیکن ان میں سے کوئی پاک صاف نہ کیا گیا۔ سوائے نعمان کے جو سوریانی تھا" (لوقا ۴: ۲۶تا۲۷)۔ کلمتہ اللہ کے سامعین ان معنی خیز مطاعن (مطعن کی جمع، عیب ۔طعنے) "کو سنتے ہی غصہ سے بھر گئے اور انہوں نے اٹھ کر اس کو شہر سے باہر نکال دیا" (لوقا ۴:۲۸)۔

منجی عالمین کا طرزِ عمل

جب اہل یہود نے ابن اللہ کو شہر بدر کر دیا تو آپ نے کسی یہودی شہر میں رہائش اختیار نہ کی بلکہ "آپ نے غیر قوموں کی گلیل" کو اپنا وطن بنایا (متی ۴:۱۵)۔ اسی گلیل میں (جہاں غیر یہود کثرت سے آباد تھے)۔ کلمتہ اللہ نے اپنی سہ سالہ خدمت کا زیادہ حصہ صرف کیا۔ کفر نحوم میں خداوند نے ایک رومی صوبہ دار کے خادم کو شفا بخشی (متی ۸:۵۔۱۳)۔

وہاں سے خداوند نے "صور اور صیدا" کی سرحدوں میں تشریف لے گئے (مرقس ۷: ۲۴)۔ جہاں آپ نے آیات زیر بحث کے مطابق ایک سور فینیکی عورت کی لڑکی کو شفا عنائت فرمائی (متی ۱۵:۲۸)۔ اس جگہ کلمتہ اللہ نے کئی ماہ صرف کئے۔ آپ نے کم از کم موسمِ گرما کے سب مہینے یہاں خدمت کی کیونکہ صرف اسی موسم میں اس جگہ سفر کیا جا سکتا تھا۔ اس علاقہ کے جتنے باشندے آپ کے پاس آئے ان کو منجیِ عالم نے تعلیم دی اور ان کے مریضوں کو تندرست کیا۔

ان تمام مہینوں کے بعد "وہ صور کی سرحدوں سے نکل کر صیدا کی راہ سے دکپلس کی سرحدوں میں ہوتا ہوا گلیل کی جھیل پر پہنچا" (مرقس ۷:۳۰)۔ جو لوگ غیر یہودی علاقہ دکپلس سے آپ کے پیچھے ہوئے وہ بھی آپ کی تعلیم سے بہرہ ور ہوئے (متی ۴:۲۵)۔ آپ نے اس علاقہ کے غیر یہودی بیماروں کو بھی شفا بخشی (مرقس ۵:۱تا۲۱)۔

اسی طرح ادومیہ سے اور یردن کے پار صور اور صیدا کے غیر یہود علاقہ کے آس پاس سے ایک بھیڑ یہ سن کر کہ وہ کیسے بڑے کام کرتا ہے اس کے پاس آئی۔ پس اس نے اپنے شاگردوں سے کہا بھیڑ کی وجہ سے ایک چھوٹی کشتی میرے واسطے تیار رہے تاکہ وہ مجھے دبا نہ ڈالیں۔ کیونکہ اس نے بہت لوگوں کو اچھا کیا تھا۔ چنانچہ جتنے لوگ سخت بیماریوں میں گرفتار تھے اس پر گرے پڑتے تھے کہ اسے چھولیں" (مرقس ۳:۸تا۹)۔

ابن اللہ نے نہ صرف ادومیہ اور یردن پار کے غیر یہود علاقوں میں خدمت کی بلکہ آپ سامریہ میں بھی گئے (لوقا ۹:۵۲)۔ اور وہاں کے باشندوں کو اپنی نجات کے پیغام سے سرفراز فرمایا (یوحنا ۴:۴) اور بہت سے سامری اس پر ایمان لے آئے۔ وہ اس کے پاس آئے اور درخواست کرنے لگے کہ ہمارے پاس رہ۔ چنانچہ وہ دو روز وہاں رہا اور اس کے کلام کے سبب اور بھی بہتیرے اس پر ایمان لائے "اور اقرار کیا کہ یہ فی الحقیقت دنیا کا منجی ہے" (یوحنا ۴:۳۹:۴۲)۔

یک دم از بہر خدا دربر ما بہ نشینی
دل غم دیدہ بدیدار توگلشن داریم

"ایک اور دفعہ جب خداوند نے دس کوڑھی اچھے کئے تو ان میں سے ایک یہ دیکھ کر کہ میں شفا پا گیا بلند آواز سے خدا کی بڑائی کرتا ہوا لوٹا اور منہ کے بل یسوع (عیسیٰ) کے پاؤں پر گر کر اس کا شکر کرنے لگا اور وہ سامری تھا۔ یسوع نے جواب میں کہا کیا دسوں پاک صاف نہ ہوئے تھے پھر وہ نو کہاں ہیں؟ کیا سوا اس پردیسی کے اور نہ نکلے جو لوٹ کر خدا کی تمجید کرتے۔ پھر اس نے اس سے کہا۔ اٹھ کر چلا جا تیرے ایمان نے تجھے اچھا کیا ہے" (لوقا ۱۷:۱۵)۔ منجیِ عالمین نے اس سامری کی تعریف کی اور ان نو یہودی کوڑھیوں کی ناشکری پر اظہارِ تاسف (افسوس) فرمایا۔

پس جب ہم ابن اللہ کے طرزِ عمل پر غور کرتے ہیں تو ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اگر آپ نے اپنی تبلیغی مساعی کو ایک حد تک اہل یہود تک محدود رکھا تو یہ کسی خاص مقصد کو نگاہ رکھ کر کیا۔ ہم آگے چل کر دیکھیں گے کہ وہ مقصد کیا تھا لیکن اس مقصد کا تعلق یہودی قومی تعصبات سے ہرگز نہ تھا۔ ساتھ ہی آپ نے کسی غیر قوم کے شخص کو اپنا جاں فزا (دل خوش کرنے والا) پیغام پہنچانے سے دریغ نہ کیا (متی ۸:۱۳، ۱۵:۲۸ وغیرہ)۔ بلکہ حق تو یہ ہے کہ جہاں آپ نے خدا کی بادشاہت کو پھیلانے کا موقعہ پایا آپ نے وہیں کام شروع کر دیا۔ غیر اقوام میں کام اور خدمت کرنے کا خیال آپ کے ذہن میں شروع ہی سے تھا (متی ۱۰:۱۸؛ یوحنا ۱۰:۱۶۔ ۱۲:۲۳ و ۳۲ وغیرہ)۔ آپ نے اپنے شاگردوں کو واضح الفاظ میں بتلا دیا کہ ان کی تبلیغی مہمیں اس کی اپنی مساعی (کوششیں) سے بہت زیادہ وسیع ہوں گی۔ (یوحنا ۴:۳۸۔ ۱۴:۱۲) اور ساتھ ہی آپ نے اس کا سبب بھی ان پر ظاہر کر دیا اور فرمایا کہ غیر اقوام میں تب کام وسیع پیمانے پر ہوگا۔ جب آپ اس مختصر زندگی کو ختم کر کے زمان و مکان کی قیود سے آزاد ہو کر ان کے ساتھ رہیں گے (یوحنا ۱۲: ۲۴)۔ غیر اقوام میں اس مقدس خدمت کو سرانجام دینے کے لئے آپ نے اپنے شاگرد غیر اقوام میں روانہ بھی کئے (متی ۲۸:۱۹، مرقس ۱۶:۱۵، لوقا

۲۴:۷ تا آخر۔ یوحنا ۲۰:۲۱۔ اعمال ۱:۸ وغیرہ)۔ کیونکہ آپ کو اس بات کا احساس تھا کہ آپ کی رسالت صرف یہود کے لئے ہی نہیں (متی ۸:۱۲۔۱۱: ۲۰۔ ۱۲:۳۹۔ ۲۱:۴۱۔ ۲۲:۷۔ ۲۳:۳۴۔ ۲۴:۲۔ لوقا ۲۸:۱۳ وغیرہ)۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر سیدنا مسیح کا یہ خیال تھا کہ آپ کی رسالت اہل یہود تک ہی محدود ہے تو آپ نے کیوں غیر اقوام کے علاقوں کے رہنے والوں اور سامریہ کے باشندوں کو تعلیم دی۔ ان کے بیماروں کو کیوں شفا بخشی اور کیوں ان کی خاطر موت کے منہ گئے ؟ جو اصحاب اہل یہود کے خیالات سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ انبیائے اسرائیل کے پیغامات کے باوجود کنعان کے یہود غیر اقوام کو نہایت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ چنانچہ ٹیسی ٹیس (Tacitus) کہتا ہے کہ [1]

"اہل یہود اپنے سوا باقی تمام دنیا کو اپنا جانی دشمن خیال کرتے تھے"

یہودی عالم ڈاکٹر مونٹی فیوری کہتا ہے کہ [2]

" خداوند کے زمانہ کے اہل یہود غیر یہود کو نفرت، حقارت اور عناد کی نظروں سے دیکھتے تھے اور ان کا یہ خیال تھا کہ غیر یہود کافر جہنم میں ڈالے جائیں گے جہاں تاریکی اور اندھیرا ہو گا"۔

"ہر یہودی کو غیر قوم والے سے محبت رکھنی اور اس کے ہاں جانا جائز نہ تھا" (اعمال ۲۸:۱۰)۔ علاوہ ازیں "یہود سامریوں سے کسی طرح کا برتاؤ نہیں رکھتے تھے" (یوحنا ۴:۱۰)۔ دونو اقوام ایک دوسرے کی جانی دشمن تھیں (لوقا ۹: ۵۱ تا ۵۶)۔ کسی شخص کو سامری کہنا ایک ناقابل برداشت گالی تھی (یوحنا ۴۸:۸)۔ یہودی ربیوں کا قول تھا کہ

"جو سامریوں کی روٹی کھاتا ہے وہ سور کا گوشت کھاتا ہے"۔ [3]

"سامری قیامت کے روز مردوں میں سے کبھی زندہ نہ ہوں گے"۔ [4]

لیکن منجیِ عالمین نے نہ صرف ان کو تعلیم دی بلکہ ان کے ہاں گئے۔ ان کے ساتھ رہے۔ ان کے بیماروں کو شفا بخشی اور ان میں سے بہتیرے آپ پر ایمان بھی لائے۔ خداوند نے اپنی خدمت کو یہود، غیر اقوام اور سامریوں تک ہی محدود نہ رکھا بلکہ آپ نے بت پرست رومیوں میں بھی کام کیا۔ چنانچہ آپ نے رومی فوج کے صوبہ دار کے مفلوج خادم کو معجزانہ طور پر شفا بخشی۔ ہر شخص جس کو تاریخ سے ذرا بھی مس ہے جانتا ہے کہ رومی فاتحین اور یہودی مفتوحین کے باہمی تعلقات کس قدر کشیدہ تھے۔ لیکن ابن اللہ نے ان میں بھی الٰہی محبت کے ظہور کو دکھایا۔ آپ نے رومیوں، یونانیوں، سامریوں، یہودیوں وغیرہ کے درمیان خدمت کی اور ان کو خدا کی نسبت تعلیم دی۔ منجیِ کونین کو یہودی تعصبات سے ذرا بھی ہمدردی اور واسطہ نہ تھا۔ ابن اللہ کی وسیع نظر میں دنیا یہود اور غیر یہود پر مشتمل نہ تھی بلکہ نیک اور بد افراد پر مشتمل تھی۔ خواہ وہ افراد کسی قوم سے متعلق ہوں (متی ۵:

---

[1] History .v.5.
[2] Judaism & Paul p.56
[3] Mishna Sebiith V111.10
[4] Prike Rabbi Elieser .38

۴۵)۔یہی وجہ تھی کہ آپ نے فریسیوں اور فقیہوں کو مخاطب کر کے فرمایا"میں راستبازوں کو نہیں بلکہ گنہگاروں کو بلانے آیا ہوں"(مرقس ۲:۱۷)۔ اگر ابن اللہ اپنی رسالت کو صرف اہل یہود تک ہی محدود خیال فرماتے تو غیر یہود کے پاس ہر گز نہ جاتے اور نہ جن کو مرید بناتے۔ لیکن آپ کا طرز عمل اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ آپ اپنی رسالت کو تمام دنیا کے لئے خیال کرتے تھے اور ہر قوم اور گروہ کے شرکاء سے ملتے اور ان کو تعلیم دے کر انہیں خدا کے قدموں میں لاتے تھے۔ منجیِ عالمین کی نظر نہایت وسیع تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے جو نام اپنے لئے تجویز فرمایا وہ "ابن آدم" تھا۔ یہ نام صاف ظاہر کرتا ہے کہ آپ کو اس بات کا پورا احساس تھا کہ آپ کا پیغام کسی خاص زمانہ، ملک، قوم یا قبیلہ کے لئے نہیں تھا بلکہ کل بنی آدم کے لئے ہے۔

(۳)

سیدنا مسیح کی موت اور بنی آدم کی نجات

کلمتہ اللہ نے اپنی خدمت کے آخر میں ایک ایسی بات کی جس سے سب یہود پر اور بالخصوص علماء اور رؤسائے یہود پر یہ ظاہر ہو گیا کہ آپ یہود اور غیر یہود دونو کو ایک آنکھ سے دیکھتے تھے۔ اس ایک واقعہ نے کلمتہ اللہ کی قسمت کا فیصلہ کر دیا اور آپ کو ایک ہفتہ کے اندر اندر مصلوب کر دیا گیا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ آپ اپنی زندگی کے آخری ہفتہ میں یروشلیم تشریف لے گئے "اور ہیکل میں داخل ہو کر ان کو جو ہیکل (بیت اللہ) میں خرید و فروخت کر رہے تھے باہر نکالنے لگا اور صرافوں کے تختے اور کبوتر فروشوں کی چوکیاں الٹ دیں اور تعلیم میں ان سے کہا کہ کیا یہ نہیں لکھا ہے کہ میرا گھر سب قوموں کے لئے دعا کا گھر کہلائیگا؟ لیکن تم نے اسے ڈاکوؤں کی کھوہ بنا دیا ہے اور سردار کاہن اور فقیہ یہ سن کر اس کے ہلاک کرنے کا موقعہ ڈھونڈنے لگے"(مرقس ۱۱:۱۵) یہ جگہ جہاں خرید و فروخت ہوتی تھی ہیکل کا وہ حصہ تھا جو غیر قوموں کی عبادت کے لئے مخصوص تھا۔

> "خداوند کے زمانہ کے سردار کاہنوں اور رؤسائے یہود نے یہ حصہ جو غیر یہود کی عبادت کے لئے وقف تھا سوداگروں کو دے کر غیر اقوام سے عبادت اور پرستش کرنے کا حق چھین لیا تھا۔ خداوند نے فرمایا کہ ہیکل کا یہ حصہ غیر یہود کی عبادت کے لئے مخصوص تھا لیکن تم نے ان کے جائز حقوق پر ڈاکہ زنی کی ہے" [1]

خدا کی ہیکل سب قوموں کے لئے یہود ہوں یا غیر یہود عبادت کا گھر ہے۔ خداوند نے ہیکل کو سوداگروں کے مال سے صاف کیا تاکہ غیر یہود وہاں عبادت کریں۔ خداوند کے اس طرزِ عمل سے رؤسائے یہود کو اس بات کا پورے طور پر احساس ہو گیا کہ اس شخص کی زندگی قوم یہود کی ہستی کے لئے خطرناک ہے اور انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ ایک آدمی کا مرنا اس سے بہتر ہے کہ ساری قوم ہلاک ہو (یوحنا ۱۱:۵۰)۔ اور انہوں نے منجیِ عالمین کو اس واقعہ کے چار دن کے اندر اندر مصلوب کر دیا۔ پس خداوند نے اپنے خون سے اس بات پر مہر کر دی کہ آپ یہود اور غیر یہود دونوں کے نجات دہندہ تھے۔

---

[1] Wilson, Problem of the Cross.pp.33-34

(۴)

جب خداوند آخری دفعہ یروشلیم میں عید فسح کے موقعہ پر تشریف لے گئے تو چند "یونانی" آپ کے شاگرد فلپس کے پاس آئے اور انہوں نے درخواست کی کہ "جناب ہم یسوع کو دیکھنا چاہتے ہیں"۔

> یہ اشخاص اپنے ہم وطن شہرہ آفاق حکماء سقراط اور افلاطون کی حقیقی اولاد تھے۔ جن کے تحریری اور زبانی اقوال نور اور حق یعنی ربنا سیدنا مسیح کی تلاش اور دیدار کے شاہد تھے [1]

چونکہ فلپس ایک یہودی شخص تھا اور یہودی تعصبات سے متاثر تھا اور یہ اشخاص غیر اقوام میں سے تھے۔ فلپس ان کو سیدنا مسیح کے پاس لے جانے سے ہچکچایا اور اس نے ایک اور شاگرد اندریاس سے اس معاملہ میں صلاح اور مشورہ کیا لیکن کلمتہ اللہ نے ان غیر اقوام کو ملاقات کا شرف بخشا اور شاگردوں کو فرمایا کہ آپ کی صلیب اور ظفریاب قیامت کے ذریعہ غیر اقوام میں انجیل جلیل کی اشاعت کے لئے راستہ صاف ہو جائے گا (یوحنا ۱۲: ۲۳) اور خدا سے دعا کی کہ ان یونانیوں کے ذریعہ بھی تو اپنے مقدس نام کو جلال دے تا کہ دنیا پر ظاہر ہو جائے کہ میری موت سے تیرا پاک مقصد پورا ہو گا اور دنیا اور بنی نوع انسان کی نجات ہو گی (آیت ۲۷، ۲۸)۔ دورانِ ملاقات میں آپ کی روحانی آنکھوں نے انجیل کی بشارت اور دنیا بھر میں اس کی اشاعت کا نظارہ رد یکھا اور اپنی زبان مبارک سے فرمایا "وہ وقت آ گیا ہے کہ ابن آدم جلال پائے" (آیت ۲۳) منجیِ عالمین نے اپنی حیات اور موت کے ذریعہ اہل یہود اور غیر اقوام دونوں کو ایک کر لیا اور جدائی کی دیوار کو جو بیچ میں تھا ڈھا دیا (افسیوں ۲: ۱۴) سیدنا مسیح کے زمانہ میں انسان اور انسان کے درمیان بے شمار جدائی کی دیواریں تھیں۔ آپ نے اپنے اصول محبت، اخوت اور مساوات کے ذریعہ اور سب سے زیادہ اپنی صلیبی موت کے ذریعہ ان تمام دیواروں کو بالکل منہدم (خراب، برباد، ویران) اور مسمار کر دیا۔ ان تمام دیواروں میں سب سے مضبوط اور پائدار دیوار وہ تھی جو یہود اور غیر اقوام کے درمیان حائل تھی۔ لیکن یہ دیوار ابتداہی میں ٹوٹ گئی (اعمال ۱۵ باب)۔ یہود اور غیر اقوام منجی جہان کی صلیب کے سامنے ایک ہو گئے۔ کلمتہ اللہ کی صلیبی موت نے خدا کی بادشاہت کے دروازہ کو تمام جہان کے گنہگاروں کے لئے کھول دیا۔ خواہ وہ گنہگار قوم کے یہود تھے خواہ غیر یہود (مرقس ۱۴: ۲۴، متی ۲۰: ۲۸ یوحنا ۱۰: ۱۵)۔ چنانچہ یوحنا رسول صاف اور صریح الفاظ میں بتلاتا ہے کہ "یسوع اس قوم یہود کے لئے مرے گا اور نہ صرف اس قوم کے واسطے بلکہ اس واسطے بھی کہ خدا کے تمام پراگندہ فرزندوں کو جمع کر کے ایک کر دے" (یوحنا ۱۱: ۵۲، ۱: ۲۹۔ ۴: ۴۲۔ ۱۲: ۳۲ وغیرہ)۔ "وہ نہ صرف اہل یہود کے گناہوں کا بلکہ تمام دنیا کے گناہوں کا کفارہ ہے" (۱۔ یوحنا ۲: ۲۔ رومیوں ۴: ۲۵۔ گلتیوں ۱: ۴۔ ۲: ۲۰؛ ۱۔ تیمتھیس ۲: ۶۔ فلپیوں ۲: ۱۴۔ ۱ پطرس ۱: ۱۸۔ وغیرہ وغیرہ)۔

[1] A.B.Bruce, the Training of the Twelve. P.311 2nd edition

منجی عالمین کے کلماتِ طیبات

جب ہم کلمتہ اللہ کے کلماتِ طیبات پر نظر کرتے ہیں تو یہ حقیقت ہم پر اور بھی واضح ہو جاتی ہے، کیونکہ آپ کے زریں اقوال آپ کے لائحہ عمل اور طرز عمل پر روشنی ڈالتے ہیں۔

منجیِ عالمین نے اپنے شاگردوں کو مخاطب کر کے فرمایا "تم زمین کے نمک ہو۔۔ تم دنیا کے نور ہو" (متی ۵:۱۳)۔ آپ نے رومی صوبہ دار کے ایمان کی تعریف میں فرمایا "میں تم سے، سچ کہتا ہوں کہ میں نے اسرائیل کے کسی شخص میں بھی ایسا ایمان نہیں پایا۔ اور میں تم سے کہتا ہوں کہ بہتیرے (غیر اسرائیلی) پورب اور پچھم سے آکر ابراہیم اور اضحاق اور یعقوب کے ساتھ آسمان کی بادشاہت میں شریک ہوں گے۔ مگر بادشاہت کے بیٹے (یعنی یہودی) اندھیرے میں ڈالے جائیں گے (متی ۸:۱۱)۔ کلمتہ اللہ نے ایک غیر قوم کو جس سے میں بہت سی بدروحیں نکالی تھیں حکم دے کر فرمایا "اپنے لوگوں کے پاس اپنے گھر جا اور انہیں خبر دے کہ خداوند نے تیرے لئے کیسے بڑے کام کئے اور تجھ پر رحم کیا" (مرقس ۵:۱۹)۔ آپ نے نجات حاصل کرنے کی شرط بیان کر کے فرمایا۔ "دیکھو بعض آخر (یعنی غیر یہود) ایسے ہیں جو اول (یعنی پسندیدہ قوم) ہوں گے" (لوقا ۱۳:۲) جب آپ کے سر مبارک پر عطر ڈالا گیا تو آپ نے فرمایا "(تمام میں) جہاں کہیں انجیل منادی کی جائے گی یہ بھی یادگاری میں کیا جائے گا (متی ۲۶:۱۳)۔ ابن اللہ نے اپنے رسولوں کو آنے والی تکلیفوں سے آگاہ کرتے وقت فرمایا کہ تم میرے سبب حاکموں اور بادشاہوں کے سامنے حاضر کئے جاؤ گے تاکہ ان کے اور دیگر اقوام کے لئے گواہی ہو (متی ۱۰:۱۸)۔ آپ نے یروشلیم کی بربادی اور یہودیت کی تباہی کی نسبت فرمایا کہ اس کی ہیکل میں "کسی پتھر پر پتھر باقی نہ رہے گا جو گرایا نہ جائے گا" (مرقس ۱۳:۲) اور انجیل کی اشاعت کی نسبت فرمایا کہ "ضرور ہے کہ سب قوموں میں انجیل کی منادی کی جائے" (مرقس ۱۳: ۱۰)۔ آپ نے اقوام عالم کی طرف اشارہ کر کے فرمایا "اچھا چرواہا میں ہوں میں اپنی بھیڑوں کے لئے جان دیتا ہوں (اقوام عالم میں) میری اور بھی بھیڑیں ہیں جو اس (یہودیت کے) بھیڑ خانے کی نہیں۔ مجھے ان کا لانا بھی ضرور ہے اور وہ میری آواز سنیں گی۔ پھر ایک ہی گلہ اور ایک ہی چرواہا ہو گا" (یوحنا ۱۰:۱۶)۔ آپ نے اپنی موت کی طرف اشارہ کر کے فرمایا "جب میں زمین پر سے اونچے پر چڑھایا جاؤں گا تو میں سب کو اپنے پاس کھینچوں گا (یوحنا ۱۲: ۳۲) کلمتہ اللہ نے پکار کر فرمایا "میں دنیا کو مجرم ٹھہرانے نہیں بلکہ دنیا کو نجات دینے آیا ہوں"۔ خداوند نے اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت فرمایا "میرے باپ کے گھر میں بہت سے مکان ہیں میں جاتا ہوں تاکہ تمہارے لئے جگہ تیار کروں" جس سے صاف ظاہر ہے کہ آسمان میں نہ صرف اہل یہود کے لئے مکان ہیں بلکہ اقوام عالم کے مکینوں کے لئے جگہ ہو گی۔ ابن اللہ کی یہ آخری گفتگو (یوحنا ۱۴: تا ۱۷ ابواب) میں ہے اور اس کے ایک ایک لفظ سے یہی مترشح (ترشح کرنے والا، ٹپکنے والا) ہوتا ہے کہ منجیِ عالمین کا یہی خیال تھا کہ آپ کُل بنی نوع انسان کی نجات کے لئے مبعوث ہو کر اس دنیا میں آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا "میں نور ہو کر دنیا میں آیا ہوں تاکہ جو کوئی مجھ پر ایمان لائے اندھیرے میں نہ رہے" (یوحنا ۱۲:۴۶) اور پھر فرمایا دنیا کا نور میں ہوں جو میری پیروی کرے گا وہ اندھیرے میں نہ چلے گا بلکہ زندگی کا نور پائے گا" (یوحنا ۸:۱۳)۔ جب ابن اللہ نے لعزر کو دوبارہ زندہ کیا تو آپ نے فرمایا "قیامت اور زندگی میں ہوں جو مجھ پر ایمان لاتا ہے گو وہ مر جائے تو بھی وہ زندہ رہے گا اور جو کوئی زندہ ہے اور مجھ پر ایمان لاتا ہے وہ ابد تک کبھی نہ مرے گا" (یوحنا ۱۱: ۲۵)۔ آپ نے نشان طلب کرنے والوں کے جواب میں غیر اقوام کو اہل یہود پر ترجیح دی اور فرمایا نینوہ کے غیر یہود لوگ اس زمانہ کے یہودی لوگوں کے ساتھ عدالت کے دن کھڑے ہو کر ان کو مجرم ٹھہرائیں گے کیونکہ انہوں نے یونس کی منادی پر توبہ کر لی اور دیکھو

یہاں وہ ہے جو یونس سے بھی بڑا ہے۔ دکن کی غیر یہود ملکہ اس زمانہ کے یہودی لوگوں کے ساتھ عدالت کے دن اٹھ کر ان کو مجرم ٹھہرائے گی "(متی ۱۲:۴۱)۔ خداوند نے اپنے پیشرو یوحنا اصطباغی کے ہم آواز ہو کر اہل یہود کو جتلا دیا کہ وہ آل ابراہیم ہونے پر نازاں نہ ہوں (فخر نہ کریں) اور فرمایا کہ ابراہیم کے فرزند کہلانے کے مستحق صرف وہی لوگ ہیں جو ابراہیم کا سا ایمان رکھتے ہیں خواہ وہ کسی نسل کے ہوں (یوحنا ۸:۴۰)۔

(۲)

کلمتہ اللہ نے جن تمثیلوں کے ذریعہ تعلیم دی ان سے یہ ظاہر ہے کہ آپ کو یہ حساس تھا کہ آپ کا پیغام کلُ دنیا کے لئے ہے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ لوگ سیدنا مسیح کے نشان طلب کرنے لگے۔ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ "یوناہ (یونس) کے نشان کے سوا کوئی اور نشان ان کو نہ دیا جائے گا۔ آپ مطلب یہ تھا کہ جس طرح ایک یہودی نبی یوناہ کے ذریعہ نینوہ ملک کے غیر اقوام باشندوں نے نجات حاصل کی تھی اسی طرح آپ کے اور آپ کے یہودی شاگردوں کی منادی کے ذریعہ غیر اقوام نجات حاصل کریں گی۔ چنانچہ آپ نے اس مطلب کو یوں ظاہر کیا "کیونکہ جس طرح یوناہ نینوہ کے لوگوں کے لئے نشان ٹھہرا اسی طرح ابن آدم بھی اس زمانہ کے لوگوں کے لئے نشان ٹھہرے گا۔ دکھن کی ملکہ اس زمانہ کے آدمیوں کے ساتھ عدالت کے دن اٹھ کر ان کو مجرم ٹھہرائے گی۔۔۔۔ نینوہ کے لوگ اس زمانہ کے لوگوں کے ساتھ عدالت کے دن کھڑے ہو کر ان کو مجرم ٹھہرائیں گے کیونکہ انہوں نے یوناہ کی منادی پر توبہ کر لی" (لوقا ۱۱ باب)۔

خمیر کی تمثیل (متی ۱۳:۳۳) سے ظاہر ہے کہ کلمتہ اللہ کا یہ خیال تھا کہ آپ کا پیغام خمیر کی طرح تمام عالم میں سرایت کر جائے گا۔ جب آپ کی زبان حقائق ترجمان نے کڑوے دانوں کی تمثیل کی تاویل کی تو فرمایا کہ اچھے بیج کا بونے والا ابن آدم ہے اور کھیت دنیا ہے "(متی ۱۳:۳۸)۔ یاد رہے کہ یہ تمثیل خداوند نے اپنی خدمت کی ابتدا میں فرمائی تھی جس سے ظاہر ہے کہ سیدنا مسیح شروع ہی سے جانتے اور محسوس کرتے تھے کہ ان کا "کھیت دنیا ہے" کلمتہ اللہ کو ابتدا ہی سے اس بات کا علم تھا کہ آپ کے اصول اور یہودیت کے اصول میں مغائرت (ناموافقت، اجنبیت) اور تضاد کا رشتہ ہے۔ چنانچہ آپ نے سامعین کو فرمایا کہ "کوئی شخص پرانے کپڑے میں نئے کی پیوند نہیں لگاتا اور نہ نئی مے پرانی مشکوں میں بھری جاتی ہے۔ کیونکہ پرانی مشکیں پھٹ جاتی ہیں اور مے ضائع ہو جاتی ہے"۔ یہودی عالم ڈاکٹر مونٹی فیوری اپنی تفسیر انجیل میں کہتا ہے کہ [1]

یہاں پرانی مشکوں سے یہودیت اور نئی مے سے مسیحی اصول مراد ہیں۔

کلمتہ اللہ نے اپنی خدمت کے آخر میں انگوری باغ کے ٹھیکے داروں کی تمثیل سنا کر فرمایا۔ خدا کی بادشاہت تم سے (یہود سے) لے لی جائے گی اور اس قوم کو جو اس کے پھل لائے دے دی جائے گی "(متی ۲۱:۴۳)۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا سے لے کر آخر تک منجیِ عالمین کا مطمع نظر اور نصب العین یہی تھا کہ انجیل جلیل کی بشارت تمام قوموں میں ہو۔ بھیڑوں اور بکریوں کی تمثیل میں آپ نے فرمایا "جب ابن آدم جلال میں آئے گا تو سب قومیں اس کے سامنے جمع کی جائیں گی "(متی ۲۵:۳۲) رحم دل سامری کی تمثیل میں کلمتہ اللہ نے یہودی کاہنوں اور یہودیوں کو رحم اور محبت کا نمونہ نہ بتلایا بلکہ ایک سامری کو رحم اور ترس کا نمونہ بنایا (لوقا ۱۰:۳۳)۔ یہودیت کے مطابق لفظ "پڑوسی" کا مطلب " قوم کے فرزندوں سے

[1] Montifiori, Synoptic Gospels, vol.I.pp.59-61

تھا" (احبار ۱۹:۱۸)۔ لیکن کلمتہ اللہ نے اس معنی کو مردود قرار دے دیا اور اس میں تمثیل کے ذریعہ یہ تعلیم دی کہ لفظ پڑوسی سے مراد نوع انسانی کے ہر فرد سے ہے۔ خواہ وہ کسی جماعت، قبیلہ، قوم یا نسل کا ہو (لوقا ۱۰: ۲۵ تا ۳۷)۔

کوئی کہاں تک کلمتہ اللہ کے اقوال کو نقل کرے۔ جس شخص نے آپ کی تعلیم کا سرسری مطالعہ بھی کیا ہے وہ جانتا ہے کہ اس تعلیم کا یہودی قومیت کے ساتھ ذرہ بھر تعلق نہیں۔ کلمتہ اللہ کی تعلیم کا ایک مختص (مخصوص کیا گیا) نہیں، بلکہ نوع انسان کے لئے ہے۔ جب آپ نے یہ تعلیم دی کہ خدا کل بنی نوع انسان کا باپ ہے اور اس کی لازوال محبت ازل سے یہود اور غیر یہود سب پر یکساں طور پر حاوی ہے (متی ۵: ۴۳ تا ۴۸)۔ تو آپ نے سامعین کے سامنے ایسے اصول بیان کئے جن سے ان کے کان نا آشنا تھے۔ یہ اصول اپنی طرز میں در حقیقت بالکل نئے اصول تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے یہودی سامعین ان کو سن کر غضب میں آجایا کرتے تھے (لوقا ۴: ۱۶ تا ۳۰ وغیرہ)۔ یہودی ربیوں کی تنگ نظری کا یہ حال تھا کہ

> وہ کہتے تھے کہ خدا نے کہا ہے "میں آئندہ جہان میں تمہارے لئے ایک بڑی میز تیار کروں گا۔ غیر اقوام دیکھیں گی اور حسد کے مارے جل بھن کر رہ جائیں گی۔

(Original Jesus p.376)

ایک اور عالم پروفیسر برکٹ (Burkitt) لکھتا ہے

> "یروشلیم کی تباہی سے پہلے کنعان کے یہودیوں میں چند ایک باتیں ایسی تھیں جنہوں نے یہودیت کو ایک قومی مذہب بنا رکھا تھا۔ حالانکہ یہ اس مذہب کی تعلیم نہ تھی اور نہ اس قوم کا حقیقی مطمع نظر تھا۔ اس کی تعلیم تو یہ تھی کہ خدا ایک ہے جو اقوامِ عالم کا رب العالمین ہے لیکن عملی طور پر کنعان میں یہودیت ایک قومی مذہب تھا جس کا مرکز یروشلیم تھا۔

(Legacy of Israel p.75)

کلمتہ اللہ کی عالمگیر تعلیم کی نئے مے ان پرانی بوسیدہ مشکوں میں بھری نہیں جاسکتی تھی۔ اگر آپ کی تعلیم یہودی خیالات کے حلقہ کے اندر محدود کی جاسکتی تو آپ کی علمائے یہود کے ساتھ کشمکش اور جنگ نہ ہوتی اور اس تصادم کا نتیجہ صلیب نہ ہوتا۔

ع گل است سعدی و در چشم دشمناں خار است

ڈاکٹر مونٹی فیوری کہتا ہے کہ [1]

> کلمتہ اللہ نے یہودیت کے بنیادی عقائد کے خلاف اپنی تعلیم کے اصول کو عالم گیر بنادیا۔ اگرچہ بعض اعلیٰ ترین یہودی ربی اس بات کو ماننے کو تیار تھے کہ نہ صرف پیدائشی یہود آلِ ابراہیم ہیں بلکہ دیگر اقوام کے نومرید بھی اس

[1] Hibbert Journal, July 1912. pp. 767-73

زمرہ میں شامل ہیں۔ لیکن یہ صرف زبانی جمع خرچ تھا۔ نفس الامر (در حقیقت، اصل بات) اس خیال کے آگے مشکلات کے پہاڑ سد راہ (حائل ہونا) تھے۔ یسوع کا کمال اس میں ہے کہ اس نے اپنی تعلیم اور شخصیت سے ان شرعی اور قومی رکاوٹوں کو دور کر دیا"۔

خداوند کی تعلیم کے بنیادی اصول یہ تھے کہ خدا محبت ہے وہ بنی نوع انسان کا باپ ہے۔ اور کل اقوام عالم کے افراد آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ یہ اصولِ محبت واخوت ومساوات عالم گیر ہیں۔ آپ کا پیغام عالمگیر ہے جس کو انجیل نویس نے ان غیر فانی الفاظ میں ادا کیا ہے کہ "خدا نے دنیا سے ایسی محبت رکھی کہ اس نے اپنا اکلوتا بیٹا بخش دیا تا کہ جو کوئی اس پر ایمان لائے ہلاک نہ ہو بلکہ ہمیشہ کی زندگی پائے" (یوحنا ۳:۱۶)۔ سیدنا مسیح نے خود اپنی زبانِ مبارک سے فرمایا" اے سب محنت اٹھانے والو اور بڑے بوجھ سے دبے ہوئے لوگو سب میرے پاس آؤ۔ میں تم کو آرام دوں گا" (متی ۱۱:۲۸)۔

ع ہست مے کدہ و دعوتِ عام است ہیں جا

سیدنا مسیح کے احکام

جس طرح سیدنا مسیح کے لائحہ عمل، طرز عمل اور کلماتِ طیبات سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ آنخداوند اپنے آپ کو منجیِ عالم خیال فرماتے تھے اور اپنے پیغام کو کل بنی نوع انسان کے لئے تصور فرماتے تھے اسی طرح خداوند کے احکام سے بھی۔ یہی ثابت ہوتا ہے کہ منجیِ عالمین کی رسالت تمام ملکوں قوموں اور زمانوں کے لئے ہے۔ سیدنا مسیح نے شاگردوں کو جو مچھلیاں پکڑنے والے تھے بلاتے وقت فرمایا تھا کہ "میرے پیچھے چلے آؤ میں تمہیں آدمیوں کا پکڑنے والا بناؤں گا" (مرقس ۱:۱۷) مقدس لوقا ہم کو بتلاتا ہے کہ خداوند نے انجیل کی اشاعت کے لئے ستر شاگردوں کو بھیجا (لوقا ۱۰:۱۷) جس طرح کلمتہ اللہ نے بارہ شاگرد چنے تا کہ یہ تعداد بنی اسرائیل کے دوزادہ قبیلوں کے برابر ہو۔ اسی طرح ان بارہ کے علاوہ اب "خداوند نے ستر آدمی مقرر کئے" (لوقا ۱۰:۱) اور اس تعداد کے انتخاب کی وجہ یہ تھی کہ یہ خیال کیا جاتا تھا کہ کل دنیا میں ستر نسلیں اور قومیں آباد تھیں۔ ان مبلغین کو مبشر مقرر کر کے خداوند نے کل جہان پر یہ ثابت کر دیا کہ جس طرح آپ نے بارہ شاگردوں کو بنی اسرائیل کے دوزادہ قبیلوں کے خیال سے چنا تھا۔ اسی طرح آپ نے ستر (۷۰) مبلغین کو اقوام عالم کی تعداد کے خیال سے چنا تھا تا کہ سب ظاہر ہو جائے کہ آپ یہود اور غیر یہود دونوں کے منجی ہیں۔

"یہ ستر (۷۰) مبلغین سامریہ اور کپلس کے غیر یہود علاقہ کے بُت پرست شہروں میں جو صوبہ پیریا کے شمال مشرقی علاقہ میں واقع ہے۔ جہاں غیر اقوام کثرت سے بستے تھے بشارت کے لئے گئے"

(The Mission and Message of Jesus p.279)

سیدنا مسیح نے آپ غیر اقوام یونانیوں، سامریوں، دکپلس، ادومیہ وغیرہ وغیرہ، یہودی بُت پرست علاقوں میں خدمت کی تھی چنانچہ آپ نے ان ستر (۷۰) کو وہاں بھیجا اور ان کی تبلیغی کوششیں اس قدر کامیاب ہوئیں کہ لکھا ہے کہ وہ "ستر خوش ہو کر پھر آئے اور کہنے لگے اے خداوند تیرے نام سے بدروحیں بھی ہمارے تابع ہیں۔۔۔۔۔ اسی گھڑی وہ روح القدس سے خوشی میں بھر گیا اور کہا اے باپ آسمان اور زمین کے خداوند میں تیری حمد کرتا

ہوں کہ تونے یہ باتیں داناؤں اور عقلمندوں سے چھپائیں اور بچوں پر ظاہر کیں۔۔۔۔اور شاگردوں کی طرف متوجہ ہو کر خاص انہیں سے کہا مبارک ہیں وہ آنکھیں جو یہ باتیں (یعنی غیر اقوام میں بشارت کے شاندار نتائج) دیکھتی ہیں جن کو تم دیکھتے ہو کیونکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ بہت سے نبیوں اور بادشاہوں نے چاہا کہ جو باتیں تم دیکھتے ہو (یعنی غیر اقوام کا خدا کا علم حاصل کرنا) دیکھیں مگر نہ دیکھیں اور جو باتیں تم سنتے ہو سنیں لیکن نہ سنیں"(لوقا ۱۰: ۱۷تا۲۴)۔

اغلب یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان تبلیغی مساعی کے شاندار نتائج دیکھ کر خداوند نے ان کے علاوہ کئی دفعہ اور شاگردوں کو بشارت کے لئے روانہ کیا تھا، کیونکہ مقدس مرقس کے الفاظ کہ "انہیں دو دو کر کے بھیجنا شروع کیا" (مرقس ۶: ۷) سے یہ نتیجہ مستنبط (اخذ کیا گیا، چھانٹا گیا) ہو سکتا ہے۔ یہی نتیجہ ہم اس انجیل کی (مرقس ۱: ۳۷تا۳۸) سے اخذ کرتے ہیں جہاں منجیِ عالم اپنے شاگردوں کو فرماتے ہیں "آؤ ہم کہیں آس پاس کے شہروں میں چلیں تا کہ میں وہاں بھی منادی کروں کیونکہ میں اسی لئے نکلا ہوں" ان مختلف تبلیغی مساعی کے وقت خداوند نے شاگردوں کو یہود اور غیر یہود دونوں کی طرف بھیجا تا کہ اس کام کو جو آپ نے غیر یہودی علاقوں میں کیا تھا مستحکم اور مضبوط کریں اور ان غیر یہود کو جو آپ پر ایمان لائے تھے تعلیم دیں۔

غیر یہود میں تبلیغ کی ممانعت کا سوال

(۱)

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ خداوند یسوع سب شہروں اور گاؤں میں پھرتا رہا اور (گلیل میں یہود) کے عبادت خانوں میں تعلیم دیتا اور بادشاہت کی خوشخبری کی منادی کرتا اور ہر طرح کی بیماری اور ہر طرح کی کمزوری دور کرتا رہا اور جب اس نے (اہل یہود کی) بھیڑ کو دیکھا تو اس کو لوگوں پر ترس آیا، کیونکہ وہ ان بھیڑوں کی مانند جن کا چرواہا نہ ہو خستہ حال اور پراگندہ تھے۔ تب اس نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ فصل تو بہت ہے لیکن مزدور تھوڑے ہیں۔ پس فصل کے مالک کی منت کرو کہ وہ اپنی فصل کاٹنے کے لئے مزدور بھیجے۔ اور اس نے ان بارہ (شاگردوں) کو پاس بلا کر ان کو ناپاک "روحوں پر اختیار بخشا کہ ان کو نکالیں اور ان کو قدرت بخشی کہ ہر طرح کی بیماری اور ہر طرح کی کمزوری کو دور کریں اور ان کو خدا کی بادشاہی کی منادی کرنے اور بیماروں کو اچھا کرنے کے لئے بھیجا اور ان کو حکم دے کر کہا کہ غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا اور چلتے چلتے یہ منادی کرنا کہ آسمان کی بادشاہت نزدیک آگئی ہے۔ بیماروں کو اچھا کرنا، مردوں کو جلانا، کوڑھیوں کو پاک صاف کرنا، بدروحوں کو نکالنا، تم نے مفت پایا مفت دینا۔ نہ سونا اپنے کمربند میں رکھنا اور نہ چاندی اور نہ پیسے راستہ کے لئے نہ جھولی لینا اور نہ دو دو کُرتے۔ نہ جوتیاں نہ لاٹھی، کیونکہ مزدور اپنی خوراک کا حقدار ہے اور جہاں تم کسی گھر میں داخل ہو وہیں رہنا، جب تک وہاں سے روانہ نہ ہو اور جس کسی شہر کے لوگ تم کو قبول نہ کریں اس شہر سے باہر نکلتے وقت اپنے پاؤں کی گرد جھاڑ دو۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ عدالت کے دن اس شہر کی نسبت سدوم اور عمورہ کے علاقے کا حال زیادہ برداشت کے لائق ہو گا۔ دیکھو میں تم کو بھیجتا ہوں گویا بھیڑوں کو بھیڑیوں کے بیچ میں۔ پس سانپوں کی مانند ہوشیار اور کبوتروں کی مانند بھولے بنو (انجیل متی ۹و۱۰ باب۔ مرقس ۶ باب ولوقا ۹ باب)۔

(۲)

آیاتِ مذکورہ بالا سے عیاں ہے کہ منجیِ عالمین نے اہل یہود کی بھیڑ کی پراگندہ اور خستہ حالت کو ملاحظہ فرما کر ان پر ترس کھایا اور اپنے دوزادہ شاگردوں کو اس خاص موقعہ پر صرف اہل یہود میں اپنے دائرہ تبلیغ کو محدود رکھنے اور ان ہی میں مقیم رہنے کے احکام صادر فرمائے تاکہ اہل یہود کی برگشتہ قوم پر اتمام (تکمیل) حجت (تکرار، دلیل) ہو جائے۔ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ ممانعت صرف ایک دفعہ کے لئے تھی اور وہ بھی صرف بارہ شاگردوں کو خاص موقعہ کی ہدایت کو عام حکم تصور کر لیا جائے۔ یہ صحیح ہے کہ سیدنا مسیح نے اپنے بارہ شاگردوں کو ایک خاص موقعہ پر ایک خاص تبلیغی مہم کے وقت یہ حکم دیا تھا کہ غیر یہود کی طرف نہ جانا، لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ نے ان کو یہ حکم دیا تھا کہ ہمیشہ کے لئے غیر یہود کے پاس نہ جانا اور نہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ منجیِ عالمین نے اپنے ہر شاگرد کو ہمیشہ کے لئے منع فرمایا کہ غیر یہود کے پاس ابد تک نہ جانا اور نہ ان کے نزدیک پھٹکنا۔ اس قسم کی دلیل ایک ایسا منطقی مغالطہ ہے جس کی ہمیں کسی صحیح العقل شخص سے توقع نہیں ہو سکتی۔

(۳)

خود ممانعت کے الفاظ اس اعتراض کو رفع کرنے کے لئے کافی ہیں۔ خداوند نے شاگردوں کو ہدایت فرمائی "غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا" ہم یہ پوچھتے ہیں کہ اگر شاگردوں نے خداوند سے غیر قوموں کی طرف جانے اور سامریوں کے شہروں میں داخل ہونا نہیں سیکھا تھا تو ان کو کیسے خیال آ گیا کہ وہ غیر قوموں اور سامریوں کی طرف جس پر خداوند نے ان کو فرمایا کہ اس دفعہ غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا؟ اگر شاگردوں کے دلوں میں یہ خواہش نہیں تھی تو خداوند کا حکم فضول تھا اور اگر یہ امنگ موجود تھی تو خداوند کے سوائے اور کس نے ان کو یہ سبق سکھلایا تھا کہ غیر اقوام اور سامری بھی اہل یہود کی طرح خدا کی بادشاہت میں داخل ہو سکتے ہیں؟ خداوند کے یہودی شاگردوں نے اپنے ربیوں سے یہی سیکھا تھا کہ غیر اقوام خدا کی بادشاہت سے خارج ہیں۔ چنانچہ یہودی قومی تعصبات کی تنگ نظری اس ایک فقرے سے عیاں ہے جو سدراس کی دوسری کتاب میں ہے۔ "اے خدا تو نے فرمایا ہے کہ تو نے دنیا کو ہماری خاطر خلق کیا ہے اور غیر اقوام محض نیست ہیں اور تھوک کی طرح ہیں" (۲۔ سدراس ۶:۵۵)۔ مورخ ٹیسی ٹس کہتا ہے کہ

> یہود ایک دوسرے کی مدد کرنے کو ہر وقت تیار ہوتے ہیں۔ لیکن دنیا کے باقی باشندوں کو اپنا دشمن سمجھ کر نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

(Hist V.5)

سامریوں کے ساتھ نفرت رکھنا یہود کو ان کی ماں کی گود میں سکھلایا جاتا تھا۔ سامری ان اسوریوں کی اولاد تھے جو اسیری کے زمانہ میں ارضِ مقدس میں آ بسے تھے اور انہوں نے اسرائیلی عورتوں سے شادی کر لی تھی (۲۔ سلاطین ۱۷:۲۴) اور موسیٰ کی شریعت کے پیروکار تھے۔ جب یہودی اسیری سے واپس آئے تو سامریوں نے یروشلیم کی ہیکل کو دوبارہ تعمیر کرنے میں ان کا ہاتھ بٹانا چاہا لیکن یہود نے ازراہ (طریقہ سے) تحقیر ان کو رد کر دیا۔ پس یہودیوں اور سامریوں میں دشمنی پیدا ہو گئی جو صدیوں تک رہی اور آئے دن دونوں اقوام میں کشت وخون ہوتا رہتا تھا۔ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ

"یہودی ربی کہتے تھے کہ جو شخص سامری کی روٹی کھاتا ہے وہ سور کا گوشت کھاتا ہے"۔

(Mishnah Shebiith V111.10)

اور کہ

"کوئی سامری کبھی یہودیت کے زمرہ میں شامل نہ کیا جائے۔ وہ مردوں کی قیامت میں شریک نہ ہوں گے"

(Pirke Elieser.38)

کسی کو سامری کہنا گالی دینے کے برابر تھا (یوحنا۸:۴۸)۔ جب یہودی زائرین ہر سال حج کے موقعہ پر یروشلیم جاتے تو میلوں چکر لگاتے تاکہ سامریوں کے شہروں میں سے ان کو گذرنا نہ پڑے۔ ایک دفعہ سامریوں نے شاگردوں کو اپنے گاؤں میں ٹکنے نہ دیا تھا کیونکہ ان کا رخ یروشلیم کی طرف تھا۔ اس سلوک سے سیدنا مسیح کے شاگرد اس قدر غضب میں آگئے کہ وہ چاہتے تھے کہ آسمان سے آگ نازل ہو کر ان کو بھسم کر ڈالے (لوقا۹ باب)۔

جب صورتِ حالات یہ تھی تو یہ غبی (کم عقل، کند ذہن) سے شخص پر ظاہر ہے کہ شاگردوں نے سامریوں اور غیر اقوام میں تبلیغی فرائض کو سرانجام دینے کا کام خود سیدنا مسیح کی تعلیم اور نمونہ سے سیکھا تھا۔

عشق کی اِک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین وآسماں کو بے کراں سمجھا تھا میں

(۴)

ممانعت کے الفاظ قابل غور ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آنخداوند اس موقعہ پر اہل یہود پر اتمام حجت (تکرار کی تکمیل) کی خاطر ایک خاص تبلیغی کوشش کرنا چاہتے تھے۔ آپ نے قوم یہود کی برگشتہ اور تباہ وخستہ اور پراگندہ حالت کو دیکھ کر حکم دیا کہ یہود کی طرف جاؤ اور "چلتے چلتے یہ منادی کرنا کہ آسمان کی بادشاہت نزدیک آگئی۔ نہ سونا اپنے کمربند میں رکھنا نہ چاندی نہ پیسے جس میں گھر میں داخل ہو اسے دعائے خیر دو۔ اگر کوئی تم کو قبول نہ کرے اور تمہاری باتیں نہ سنے تو اس گھر یا شہر سے باہر نکلتے وقت اپنے پاؤں کی گرد جھاڑ دو۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ عدالت کے دن اس شہر کی نسبت سدوم اور عمورہ کے علاقہ کا حال زیادہ برداشت کے لائق ہو گا" (متی ۱۰:۵ تا ۱۵)۔ حکم کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ خداوند اہل یہود پر اتمام حجت کرنا چاہتے تھے۔ لہذا اس خاص تبلیغی مہم کو صرف اہل یہود تک محدود رکھنا چاہتے تھے، لیکن خداوند کے رسول بشارت کے جوش میں بھرے تھے اور چاہتے تھے کہ یہود کو بشارت دیتے وقت دورہ میں غیر اقوام کی طرف بھی چکر لگا آئیں اور چونکہ سامریہ بھی راستہ میں پڑتا تھا وہ چاہتے تھے کہ سامریوں کے گاؤں میں سے بھی ہوتے چلیں۔ لیکن خداوند نے ان کو اس بات سے منع کیا اور فرمایا کہ اب کی دفعہ یہ تبلیغی مساعی خاص اہلِ یہود پر اتمام حجت کے لئے ہیں۔ ادھر اُدھر جا کر اپنے وقت اور کوشش کو صرف نہ کرنا" غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور نہ سامریوں کے کسی شہر میں داخل ہونا بلکہ اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا اور چلتے چلتے یہ منادی کرنا کہ آسمان کی بادشاہت نزدیک آگئی ہے اور اگر کوئی تم کو قبول نہ کرے اور تمہاری باتیں نہ

سنے تو اس گھر سے یا شہر سے باہر نکلتے وقت اپنے پاؤں کی گرد جھاڑ دو۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ عدالت کے روز اس شہر کی نسبت سدوم اور عمورہ کے علاقے کا حال زیادہ برداشت کے لائق ہو گا"۔

ہم نے سیدنا مسیح کے اپنے طرزِ عمل سے تعلیم سے، اقوال سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ کلمتہ اللہ اپنے آپ کو منجیِ عالمین خیال فرماتے تھے۔ کیا کوئی دانشمند شخص یہ خیال کر سکتا ہے کہ ابن اللہ آپ تو غیر یہود، رومیوں، سامریوں میں کام کریں۔ معجزے دکھائیں اوران میں سے بعض کے ایمان کو اہلِ یہود کے ایمان سے بہتر قرار دیں۔ ان میں سے بہتیروں کو مرید بنالیں لیکن اپنے ہر ایک شاگرد کو ہمیشہ کے لئے قطعی طور پر یہ حتمی حکم دے جائیں کہ غیر یہود کی طرف نہ جانا اور نہ کبھی کسی سامری شہر میں قدم رکھنا؟ اس کے خلاف ہم سیدنا مسیح کا آخری حکم پیش کر دیتے ہیں تا کہ کسی مخالف کو صحیح اصول تفسیر کے مطابق جس کا ذکر فصل اول میں کیا گیا ہے اعتراض کرنے کی یا شک وشبہ کی گنجائش نہ رہے۔ منجیِ عالمین نے اس جہان سے الوادع ہوتے وقت اپنی زبان مبارک سے رسولوں اور دوسرے شاگردوں کو حکم دیا کہ " آسمان اور زمین کا کل اختیار مجھے دیا گیا ہے پس تم دنیا میں جا کر ساری خلق کے سامنے انجیل کی منادی کرو اور جا کر سب قوموں کو شاگرد بناؤ اور ان کو یہ تعلیم دو کہ ان سب باتوں پر عمل کریں جن کا میں نے حکم دیا ہے کہ دیکھو میں دنیا کے آخر تک ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں (متی ۲۸: ۱۹، مرقس ۱۶: ۱۵)۔ پھر فرمایا" جب روح القدس تم پر نازل ہو گا تو تم قوت پاؤ گے اور یروشلیم اور تمام یہودیہ اور سامریہ میں بلکہ زمین کی انتہا تک میرے گواہ ہو گے "(اعمال ۱: ۱۸)۔

سوُر فینیکی لڑکی کو شفا بخشنا

اب ہم سیدنا مسیح کے اقوال میں سے اس قول پر غور کریں گے جس کی بنا پر کہا جاتا ہے کہ آپ کو اس بات کا احساس تھا کہ آپ کا مشن صرف اہلِ یہود تک ہی محدود ہے۔ انجیل میں وارد ہے کہ "خداوند یسوع وہاں سے نکل کر صورُ اور صیدا کے (غیر یہود) علاقہ کو روانہ ہوا اور صور اور صیدا کی سرحدوں میں گیا اور ایک گھر میں داخل ہوا اور نہیں چاہتا تھا کہ کوئی جانے مگر پوشیدہ نہ رہ سکا بلکہ ایک کنعانی عورت جس کی چھوٹی بیٹی میں ناپاک روح تھی اس کی خبر سن کر ان سرحدوں سے نکلی اور آئی اور اس کے قدموں پر گر پڑی۔ یہ عورت یونانی تھی اور قوم کی سور فینیکی۔ اس نے اس سے درخواست کی اور پکار کر کہا کہ اے خداوند ابن داؤد مجھ پر رحم کر۔ ایک بدروح میری بیٹی کو بری طرح ستاتی ہے۔ اس بدروح کو میری بیٹی سے نکال۔ مگر اس نے کچھ جواب اسے نہ دیا۔ اس کے شاگردوں نے پاس آ کر اس سے عرض کی کہ اسے رخصت کر دے کیونکہ وہ ہمارے پیچھے چلاتی ہے۔ اس نے جواب میں کہا کہ میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا کسی اور کے پاس نہیں بھیجا گیا۔ مگر اس نے آ کر اسے سجدہ کیا اور کہا اے خداوند میری مدد کر۔ اس نے جواب میں اس سے کہا کہ پہلے لڑکوں کو سیر ہونے دے۔ کیونکہ لڑکوں کی روٹی لے کر کتوروں کو ڈال دینی اچھی نہیں۔ اس نے جواب میں کہا ہاں خداوند کتورے بھی میز کے تلے کی روٹی کے ٹکڑوں میں سے کھاتے ہیں جو ان کی مالکوں کی میز پر سے گرتے ہیں۔ اس پر یسوع نے جواب میں اس سے کہا اے عورت تیرا ایمان بہت بڑا ہے اس کلام کے سبب سے جا جیسا چاہتی ہے تیرے لئے ویسا ہی ہو بدروح تیری بیٹی سے نکل گئی ہے اور اس کی بیٹی نے اسی گھڑی شفا پائی اور اس نے اپنے گھر میں جا کر دیکھا کہ لڑکی پلنگ پر پڑی ہے اور بدروح نکل گئی ہے "(مرقس ۷ باب ۲۴ تا ۳۰ آیات، متی ۱۵ باب ۲۱ تا ۲۸ آیات)۔

(۱)

ان آیات کی تاویل کر کے معترضین یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ سیدنا مسیح صرف ایک یہودی مصلح ہو گذرے ہیں اور آپ کے کبھی وہم وگمان میں بھی نہ آیا تھا کہ آپ کی رسالت یہود تک محدود نہ رہے گی۔ لیکن ہم سطور بالا میں ثابت کر آئے ہیں کہ صحیح اصول تفسیر کے مطابق معترض کی یہ تاویل باطل ہے۔ منجیِ عالمین کا طرزِ عمل صاف ظاہر کرتا ہے کہ آنخداوند نے غیر یہود میں خدمت کی اوران کو تعلیم بھی دی۔ آیت زیر بحث خود اس بات کی گواہ ہے کہ منجیِ جہان کے معجزات کا فیض عام تھا اور آپ نے اس عورت کی لڑکی کو شفابخشی (متی ۱۵:۲۸)۔ ہم یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ خداوند کے کلماتِ طیبات بھی اس امر کے گواہ ہیں کہ آپ کی انجیل ساری خلق کے لئے تھی اورآپ کا حکم "سب قوموں کو شاگرد بنانے کا تھا" ہم ناظرین کو یاد دلاتے ہیں کہ صحیح اصول تفسیر تاویل الکلامہ بمایرضیٰ بہ قائلہ باطل ہے یعنی قول کے کہنے والے کی تاویل وہی صحیح ہو سکتی ہے جو اس کے منشا، ارادہ اور خیالات کے مطابق ہو۔ پس ہم زیر بحث کی صرف اس طرز پر ہی تاویل و تفسیر کر سکتے ہیں جو سیدنا مسیح کے لائحہ عمل، طرز عمل، کلمات، ہدایات اور احکام کے مطابق ہو۔ ہم ایک شخص کے کسی خاص قول کو اس کے دیگر اقوال اور حالاتِ زندگی کی روشنی میں ہی سمجھ سکتے ہیں۔ انشاء اس صحیح اصول تفسیر کو مدِ نظر رکھ کر ہم معترضین پر یہ ثابت کر دینگے کہ جو نتیجہ وہ اس آیہ شریفہ سے اخذ کرتے ہیں وہ سراسر غلط ہے۔ ع

کیں راہ کہ تو میروی بترکستان است

(۲)

یہ امر قابل غور ہے کہ یہ عورت اہل یہود سے نہ تھی۔ مقدس متی اس کو "کنعانی عورت" کہتا ہے۔ مقدس مرقس کہتا ہے کہ "یہ عورت یونانی اور قوم کی سورفینیکی" (مرقس ۷:۲۶) "کنعان" اور "سور فینیکا" ایک ہی صوبہ کے دو نام تھے جس طرح انگلستان کو بھی "انگلینڈ" اور کبھی "برطانیہ" کہا جاتا ہے۔ اس قوم کے لوگ ملک کنعان کے اصلی باشندے تھے جس کی نسبت اہل یہود کو حکم ہوا تھا کہ ان کو صفحہ ہستی سے نیست ونابود کر دیا جائے (استثنا ۳۱:۳ تا ۵ وغیرہ)۔ اس بات سے ناظرین پر واضح ہو گیا ہو گا کہ یہودی قوم اور اس عورت کی قوم میں حد درجہ کی باہمی مخاصمت (دشمنی) اور منافرت (نفرت، گھن) تھی۔ لیکن آیت زیر بحث سے ظاہر ہے کہ منجیِ عالمین کا محبت بھرا دل اس نفرت اور تعصب سے کلیۃً (کلی طور پر، مکمل طور پر) پاک تھا اور کلمتہ اللہ نے اس قوم کی دختر کو اور دیگر افراد کو شفابخش کر اس حقیقت پر مہرِ صداقت لگادی۔

(۳)

یہ عورت جس کا نام روایت کے مطابق جسٹا (Justa) تھا اور اس کی دختر جس کا نام روایت کے مطابق برنیس (Bernice) تھا نہ صرف غیر قوم میں سے تھی بلکہ وہ "یونانی" تھی اور یونانی مذہب رکھتی تھی۔ وہ دیوی دیوتاؤں

کی پرستار تھی۔ چنانچہ پرانے شامی ترجمہ کی قرات ہے "وہ عورت بُت پرست تھی" (مرقس ۷:۲۶) اس علاقہ میں ایک بُت جس کا نام "صور" تھا پوجا جاتا تھا۔ جس کی وجہ سے علاقہ کا نام بھی صور پڑ گیا تھا [1]

لیکن یہ بُت پرست عورت ایک یہودی "ابن داؤد" پر بھروسا رکھ کر آئی۔ پس سیدنا مسیح نے اس کے ایمان کی تعریف کر کے فرمایا "تیرا بڑا ہی ایمان ہے" (متی ۱۵:۲۸) جب ہم اس کے ایمان کی طرف نظر کرتے ہیں تو ہم متعجب ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ یہ عورت اس قوم میں سے تھی جو اہل یہود کے ساتھ عداوت اور نفرت رکھتی تھی۔ لیکن تاہم وہ یہودی یسوع ناصری سے مدد کی خواہاں ہوئی۔ آنخداوند اس دفعہ علیحدگی، عزلت اور گوشہ نشینی کی خاطر اس علاقہ میں تشریف لے گئے تھے (مرقس ۷:۲۴)۔ لیکن جونہی اس عورت نے آپ کی آمد کی خبر سنی وہ بھاگی آئی اور آپ کے مبارک قدموں پر گر پڑی اور اس نے چلا کر کہا "اے خداوند ابن داؤد مجھ پر رحم کر" اس کی حاجت مندی نے اس کے دل سے قومی تعصب بغض اور عناد کو دور کر دیا اور وہ اپنی دشمن قوم یہود کے مسیح موعود کے پاس درخواست کرنے پر اصرار کرتی ہے۔ اس کا ایمان ہے کہ گو یہ ابن داؤد مسیح موعود قوم کا یہودی ہے تاہم وہ دیگر یہود کی طرح اس کا دشمن نہیں ہے۔ وہ ضرور اس کی بیٹی کو شفا عطا کرے گا۔ ماں کی ممتا اس کو مجبور کرتی ہے کہ یہودی مسیح موعود کے پیچھے پیچھے چلاتی جائے۔ سیدنا مسیح کے شاگرد اس عناد، نفرت اور تعصب سے خالی نہ تھے۔ انہوں نے اس کو خداوند تک پہنچنے میں کوئی دلیری نہ دی تھی اور وہ تنگ آ کر خداوند سے درخواست کرتے ہیں کہ "اسے رخصت کر دے کیونکہ ہمارے پیچھے چلاتی ہے"۔

(۴)

ہم کو یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ صحیح اصول تفسیر کے مطابق جس کا ذکر فصل اول میں کیا گیا ہے اس آیہ شریفہ کی تفسیر کرتے وقت ہم کو موقعہ اور محل اور انجیلی عبارت کے سباق کو ضرور مدِ نظر رکھنا چاہیے۔ اس موقعہ پر سیدنا مسیح کی گفتگو کا مقصد ہرگز یہ نہیں تھا کہ آپ کنعانی عورت سے اپنی زندگی کے نصب العین کا ذکر کریں۔ سیدنا مسیح اور اس عورت کے درمیان سیدنا مسیح کے مشن کے مطمع نظر پر بحث اور مکالمہ نہیں ہو رہا تھا۔ اگر بحث کا موضوع سیدنا مسیح کے مشن کا مقصد ہوتا اور کوئی شخص نیکودیمس کی طرح آپ کے پاس آتا اور یہ دریافت کرتا کہ کیا آپ کا پیغام صرف قوم یہود تک ہی محدود ہے یا آپ غیر اقوام کو نجات دینے کے لئے بھی دنیا میں آئے ہیں اور کلمتہ اللہ جواب میں اپنے نصب العین کی تشریح و توضیح کر کے فرماتے کہ میں اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا کسی اور کے پاس نہیں بھیجا گیا اور آپ اپنے پروگرام، پیغام، طرز عمل، وغیرہ کو اس جواب کی تائید میں پیش فرماتے تو معترض کی تاویل حق بجانب ہوتی۔ لیکن اس موقعہ پر سوال جو درمیان میں تھا وہ آنخداوند کی زندگی کے نصب العین اور آپ کے مشن کے اصلی مقصد سے متعلق نہیں تھا۔ بلکہ اس عورت کی لڑکی کی بیماری اور شفایابی کا سوال تھا۔ پس سیدنا مسیح کا جواب لڑکی کی شفایابی کے متعلق تھا اور آپ کے مشن کے نصب العین سے اس کا کچھ واسطہ نہ تھا یہ یاد رہے کہ زیر بحث فقرہ عورت سے نہیں بلکہ شاگردوں سے کہا گیا تھا۔ پس صحیح اصول تفسیر کے مطابق لازم ہے کہ ہم خداوند کے جواب کو جو آپ نے عورت سے نہیں بلکہ شاگردوں سے مخاطب ہو کر فرمایا تھا اس کے موقع اور محل کے مطابق سمجھنے کی کوشش کریں اور اس کی تاویل خارجی امور کی روشنی نہ کریں۔ انجیلی عبارت کا سیاق صاف بتلاتا ہے کہ اس موقعہ اور محل

[1] Margoliath Religions of Bible Lands.p18

میں غیر اقوام کی روحانی نجات کا سوال ایک ایسا امر ہے جو خارج از بحث ہے۔ پس صحیح تاویل میں ہم خارج از بحث امور کو نہ درمیان میں لاسکتے ہیں اور نہ ان کی روشنی میں اس آیہ شریفہ کی تفسیر کرسکتے ہیں۔ یہ ایک مضحکہ خیز امر ہوگا کہ عورت تو کہے کہ اے خداوند میری لڑکی کو شفاعطا کر اور خداوند جواب میں قوم یہود کی روحانی حالتِ زار پر بحث کریں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا ایک بُت پرست ہندو کسی موحد مسلمان طبیب کے پاس اپنی لڑکی کے علاج کا سوال کرے اور طبیب اس کے جواب میں برگشتہ مسلمانوں کی خستہ حالی کا رونا روئے اور ان کی دائمی روحانی نجات پر بحث کرے۔ انجیلی عبارت کا سیاق ہم کو بتلاتا ہے کہ کنعانی عورت نے ایک شفادہندہ کی خبر سنی اور وہ اس کے قدموں میں آکر التجا کرنے لگی کہ میری لڑکی کو شفابخش۔ اس سوال کا جواب صرف ایک ہی ہوسکتا تھا یعنی یا اثبات میں یا نفی میں۔ خداوند نے اس کی التجا کو قبول فرمایا اور لڑکی کو شفاعطا کی۔

(۵)

پس انجیلی عبارت کے سیاق پر نظر کرکے ہم کہہ سکتے ہیں کہ در حقیقت اس کنعانی عورت کا چیخ وپکار نے خداوند کے دل میں خیالات کا سلسلہ شروع کردیا۔ آپ اپنے دل ہی دل میں ایک طرف تو گم گشتہ یہود کی پراگندہ حالتِ زار پر غور فرمارہے تھے اور دوسری طرف بُت پرست غیر اقوام کی خستہ حالت کی صدا اس عورت کے نالہ کی صورت میں آپ کے کانوں میں آرہی تھی۔ انجیلی عبارت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا مسیح اپنے حوارئین کے آگے آگے آہستہ آہستہ چل رہے تھے اور اپنے خیالات میں غرق تھے اور یہ عورت شاگردوں کے پیچھے چلاتی آرہی تھی۔ کلمتہ اللہ چلتے چلتے اس گہری سوچ میں پڑے ہوئے تھے اور اپنے خیالات میں اس قدر منہمک (کسی کام میں بہت مصروف) ہوگئے تھے کہ آپ نے "اس عورت کو کچھ جواب نہ دیا"۔ ایک طرف تو آپ اپنے دل میں بنی اسرائیل کے ان گمراہ لوگوں کا خیال کرکے ان پر ترس کھارہے تھے جو "ان بھیڑوں کی مانند جن کا کوئی چرواہا نہ ہو خستہ حال اور پراگندہ تھے" (متی ۹:۳۶)۔ ان کی طرف نظر کرکے کلمتہ اللہ نے اپنے حواریوں کو چند روز پہلے فرمایا تھا کہ "فصل تو بہت ہے لیکن مزدور تھوڑے ہیں۔ پس فصل کے مالک کی منت کرو کہ وہ اپنی فصل کاٹنے کے لئے مزدور بھیج دے" (متی ۹:۳۷)۔ دوسری طرف کلمتہ اللہ کے کان میں ایک بُت پرست عورت کی چیخ پکار آرہی تھی کہ "اے خداوند ابن داؤد مجھ پر رحم کر"۔ اس چیخ پکار نے آپ کے ذہن میں ان تمام بُت پرست غیر اقوام کا تصور باندھ دیا جو نجات اور "رحم" کی طلب گار تھیں۔ منجیِ عالمین قوم بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی طرف نظر کرتے ہیں تو ان کو پراگندہ اور خستہ حال دیکھ کر کہتے ہیں کہ "فصل بہت ہے"۔ غیر یہود بُت پرست اقوام کی جانب نظر کرتے ہیں تو ان کی صنم پرستی اور پراگندگی کو ملاحظہ کرکے کہتے ہیں کہ "فصل بہت ہے" کام ہر طرف ہے۔ میں اکیلا ہوں، میری زندگی کے صرف چند ماہ باقی ہیں کہاں کہاں کام کروں۔ اہل یہود گو پراگندہ خستہ حال اور گم گشتہ ہیں تاہم وہ بُت پرست غیر یہود کی نسبت خدا کا علم زیادہ رکھتے ہیں اور بُت پرستوں سے زیادہ تیار ہیں کہ میرے پیغام کو قبول کرلیں۔ بہتر یہی ہے کہ میں اپنی زندگی کے چند ماہ جو باقی رہ گئے ہیں قوم یہود کی کھوئی بھیڑوں میں خدمت کرکے کاٹوں اور اپنے باقی ماندہ قیمتی وقت اور کوشش کو غیر یہود بُت پرستوں میں صرف نہ کروں اور اہل یہود کے گمراہ اور مرتد گروہوں کی طرف جو خدا سے برگشتہ ہوگئے ہیں خاص طور پر متوجہ ہوں۔ پس عالم انہماک (مصروفیت) میں کلمتہ اللہ نے اپنے خیالات کا اظہار کرکے اپنے شاگردوں کو مخاطب کرکے اپنی زبان مبارک سے فرمایا "میں بنی اسرائیل کی برگشتہ گروہ کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا"۔ یونانی عورت کی آنکھیں آپ کے مبارک چہرے پر لگی ہوئی تھیں۔ اس نے آپ کی لبوں کی جنبش کو دیکھا اور اس فقرہ کو سن لیا۔ اس کا ایمان زبردست تھا وہ آگے بڑھی اور اس نے کہا "اے خداوند میری مدد کر"۔ ابن اللہ نے اپنے

خیالات کا جن کو وہ سوچ رہے تھے اظہار کر کے فرمایا کہ "پہلے لڑکوں کو سیر ہونے دے" میرا اولین فرض یہ ہے کہ میں پہلے بنی اسرائیل کے مرتد لوگوں کو ان کے خدا کے پاس پھیر لاؤں بعد میں غیر اقوام بھی آجائیں گی "لڑکوں کی روٹی لے کر کتوروں کو ڈال دینی اچھی نہیں" میں پہلے اپنا پیغام اہلِ یہود کو سنالوں۔ یہ واجب نہیں کہ اب اپنے باقی ماندہ وقت اور کوشش کو اہل یہود کی طرف سے جو میرا پیغام سمجھ سکتے ہیں ہٹا کر غیر یہود کی طرف لگاؤں جو حقیقی خدا کی ہستی اور علم سے بے بہرہ اور نبوت اور کتاب سے ناآشنا ہیں۔ عورت نے جواب دیا "ہاں اے خداوند لیکن کتورے بھی میز کے تلے لڑکوں کی روٹی کے ٹکڑوں میں سے کھاتے ہیں"۔ یعنی غیر یہود بُت پرستوں میں سے میرے جیسے جو ابن داؤد اور مسیح موعود سے رحم اور مدد کے ملتجی ہیں وہ بھی اہل یہود کے خیالات سے متاثر ہو کر ہی تیرے پاس آتے ہیں۔ اس پر منجیِ عالم نے فرمایا "اے عورت تیرا بڑا ہی ایمان ہے جیسا چاہتی ہے تیرے لئے ویسا ہی ہو اور اس کی بیٹی نے اسی گھڑی شفا پائی" (متی ۱۵:۲۸)۔

(۶)

مذکورہ بالا آیات میں دو الفاظ خاص طور پر قابل غور ہیں یعنی "لڑکے" اور "کتورے" بعض خیال کرتے ہیں کہ لفظ "کتورے" سے حقارت ٹپکتی ہے۔ لیکن صحیح اصول تفسیر کے مطابق ہمیں زبان کے محاورہ کا لحاظ تاویل کرتے وقت رکھنا چاہیے۔ اگر ہم اس اصول کو مدِ نظر رکھیں تو ہم دیکھیں گے کہ

> خداوند نے جو الفاظ "لڑکے" اور "کتورے" اپنی زبان مبارک سے فرمائے تو آپ نے اس وقت در حقیقت خاص ان الفاظ کو استعمال کیا جو بنی اسرائیل اور غیر اقوام خود اپنے اپنے بچوں کے لئے پیار کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ بنی اسرائیل اپنے بچوں کو پیار کے طور پر "لڑکا" بلاتے تھے۔ (متی ۸:۱۲ وغیرہ)۔ لیکن غیر اقوام اپنے بچوں کو "کتورا" بلایا کرتے تھے۔ [1]

ہمارے اپنے پنجاب دیس کے بعض اضلاع اور پہاڑی مقامات میں بھی والدین اپنے بچوں کو پیار کے طور پر "کتورا"، ڈبو وغیرہ بلاتے ہیں جس طرح انگریز اپنے بچوں کو "کڈیز" یعنی "لیلے" پکارتے ہیں۔

جائے غور ہے کہ جس یونانی لفظ کا اردو ترجمہ "کتے" کیا گیا ہے اور ہم نے "کتورے" کیا ہے۔ انجیل شریف میں یہ لفظ کسی اور جگہ وارد نہیں ہوا وہاں لفظ "کتے" کے لئے دوسرا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ پس صحیح اصولِ تفسیر کے مطابق جب آنخداوند نے لفظ کتورہ استعمال فرمایا تو کسی حقارت یا نفرت کی وجہ سے نہیں کیا۔ بلکہ ایک ایسا لفظ استعمال کیا جس کو غیر اقوام خود پیار سے اپنے بچوں کے لئے استعمال کیا کرتی تھیں۔ اس لفظ سے آپ کا مافی الضمیر بھی ادا ہو گیا۔ عورت کو مادری محبت اور ماں کی مامتا نے عقل دی اور اس نے بھی ان دونوں الفاظ کے ذو معنی مطالب سے فائدہ اٹھا کر جواب دیا کہ ہاں "اے خداوند میرے چھوٹے منے کتورے کی بھی مدد کر اور اس کو شفا بخش"۔

---

[1] Findlay, Jesus in the First Gospel.p153

ع سخن شناس نئ دلبرا۔ خطا ایں جاست

(۷)

جس آیہ شریفہ کی بناپر معترضین آنخداوند کے مشن کو اہلِ یہود تک محدود خیال کرتے ہیں وہی آیت در حقیقت ان کے اعتراض کی رد میں پیش کی جاسکتی ہے۔ مقدس مرقس ہم کو بتلاتا ہے کہ خداوند نے عورت سے فرمایا" پہلے لڑکوں کو سیر ہونے دے"(متی ۷:۲۷)۔ لفظ "پہلے " سے صاف ظاہر ہے کہ منجیِ عالمین کی نظر کوتاہ نہ تھی اور نہ آپ اپنے دائرہ رسالت کو محدود خیال فرماتے تھے بلکہ آپ پہلے اہل یہود پر اتمام حجت (تکمیل تکرار و دلیل) کرنی چاہتے تھے اور غیر یہود کو اپنے نجات بخش پیغام سے محروم رکھنا نہیں چاہتے تھے۔

(۸)

اگر ہم اس آیہ شریفہ کی وہ قرات قبول کریں جو پرانے شامی ترجمہ میں موجود ہے تو اس اعتراض کی سرے سے گنجائش ہی نہیں رہتی۔ وہ قرات یہ ہے۔

"اس نے جواب میں ان کو(شاگردوں) کہامیں نہیں بھیجا گیا مگر ان بھیڑوں کی طرف جو اسرائیل کے گھرانے سے بھٹکی ہوئی ہیں"(متی ۱۵: ۲۴)۔

اس قرات کے موافق آیت زیر بحث کا یہ مطلب ہوا کہ خدا نے مجھے ان تمام اقوام کی خاطر بھیجا ہے جو اسرائیل کے گھرانے میں شامل نہیں ہیں۔ یعنی خدا نے مجھ کو غیر یہود کی جانب بھیجا ہے۔ یہ ترجمہ دوسری صدی میں شامی زبان میں کیا گیا تھا۔ ملکِ شام ارض مقدس کنعان کے ساتھ ملحق ہے اور شامی زبان ارامی سے متعلق ہے، جو ہمارے مبارک خداوند کی زبان تھی۔ عہد جدید کی کتُب کا سب سے پہلے اسی شامی زبان میں ترجمہ ہوا۔ پس ملک اور زبان کے تعلق اور ترجمہ کی قدامت کے لحاظ سے بہت ممکن ہے کہ یہی قرات صحیح بھی ہو۔ یہی قرات پشیتو ترجمہ (عام اور سادہ) کی ہے۔ جو شامی کلیسیا کا اسی طرح مستند ترجمہ ہے جس طرح ولگیٹ رومی کلیسیا کا مستند ترجمہ ہے۔

اقوامِ عالم کی نجات اور اہلِ یہود کا نصب العین

معترضین یہ سوال کرسکتے ہیں کیوں نجات کے معاملہ میں اہلِ یہود کو غیر یہود پر ترجیح دی گئی ہے؟ اگر ابن اللہ یہود اور غیر یہود دونوں کی خاطر اس جہان میں آئے تھے تو آپ کیوں اہل یہود کو اپنا پیغام پہلے پہنچانا چاہتے تھے؟(مرقس ۷:۲۷)۔ نجات کے معاملہ میں اہلِ یہود کو کیوں مقدم سمجھا گیا؟

صحیح اصول تفسیر کے مطابق لازم ہے کہ ہم کسی قائل کے قول کو اس کے دیگر اقوال کی روشنی میں سمجھیں۔ چنانچہ مولانا روم کہے گئے ہیں کہ

ع معنی قرآں ز قرآں پرُس وبس

اسی طرح اگر ہم کلمتہ اللہ کے کسی قول کی تفسیر کرنا چاہتے ہیں تو لازم ہے کہ ہم اس قول کی تاویل خداوند کے دیگر اقوال کی روشنی میں کریں۔ اس سوال کا جواب کہ نجات کے معاملہ میں اہل یہود کو کیوں تقدیم (ترجیح) حاصل ہے۔ ہم کو خداوند کے دیگر اقوال میں ملتا ہے۔ ایک دفعہ آنخداوند نے سامری عورت سے اثنائے گفتگو میں فرمایا تھا کہ "نجات یہودیوں میں سے ہے" (یوحنا۴: ۲۲)۔ آنخداوند کو معلوم تھا کہ نجات کا علم خدا نے اہل یہود میں ودیعت (امانت، سپردگی) فرمایا ہے پس خداوند نے اپنی حیات میں اپنے کام اور پیغام کو ایک حد تک اہل یہود میں محدود رکھا۔ اہل یہود کو دیگر اقوام کی نسبت خدائے واحد اور برحق کا زیادہ علم تھا۔ ہم نے اپنی "کتاب نور الہدیٰ" میں بتلایا ہے کہ غیر اقوام صنم پرستی اور شرک میں اور رسوم بد میں مبتلا تھیں۔ وہ بت کدوں میں لاکھوں دیوتاؤں کے آگے سرنگوں ہوتی تھیں، لیکن اہل یہود صرف ایک واحد خدا کی پرستش کرتے تھے۔ پس منجیِ کونین نے اہل یہود کی گم گشتہ گروہوں کو جگانے کی اوران پر خدا کا علم ظاہر کرنے کی سرتوڑ کوشش کی تاکہ پہلے وہ خود کلام سنیں اور پھر دیگر اقوام تک اس خوشخبری کے پیغام کو پہنچانے والے بنیں۔ منجیِ عالمین کو اس بات کا علم تھا کہ دنیا پر آپ کی عمر کے دن تھوڑے ہیں لیکن آپ کو تاریکی ہر طرف چھائی ہوئی نظر آتی تھی۔ اس تاریکی میں آپ کو ایک شمع ٹمٹماتی نظر آتی تھی یعنی یہودی قوم پس آپ نے دنیا کی تاریکی کو دور کرنے کی غرض سے اس ایک ٹمٹماتی شمع کی طرف خاص توجہ کی۔ اہل یہود خدا کی پہچان میں بُت پرست فلاسفہ سے بھی گوئے سبقت لے گئے ہوئے تھے۔ جب ہم یہودی تعلیم کا یونانی فلسفہ اور اخلاقیات سے مقابلہ کرتے ہیں تو ہم پر واضح ہو جاتا ہے کہ سقراط، افلاطون اور ارسطو جیسے عظیم الشان فلاسفر اس تعلیم کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ چنانچہ انگلستان کا مشہور فلاسفر مرحوم ڈاکٹر ریشڈال اس موضوع پر مفصل تبصرہ کرکے اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ

"مذہب اوراخلاق کے معاملہ میں ارسطو کے ہم عصر یونانی اہلِ یہود کے مقابلہ میں کل کے بچے تھے" [1]

پس جب خداوند نے اپنا کام اور پیغام ایک حد تک اہلِ یہود میں محدود رکھا تو اس کی وجہ آپ کی تنگ نظری اور کوتاہ بینی نہ تھی۔ بلکہ اس کی اصل وجہ آپ کی معاملہ فہمی، دوراندیشی، اور حکمت عملی تھی۔ جس کے مطابق آپ نے اپنے لائحہ عمل کو ڈھالا تھا۔

اگر معترض ہم سے یہ سوال کرے کہ آنخداوند نے کیوں فرمایا تھا کہ "نجات یہودیوں میں سے ہے"۔ کیا کوئی اور قوم نجات نہیں پائے گی؟ تو ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ سیدنا مسیح نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ نجات یہودیوں تک ہی محدود ہے۔ اگر آپ نے یہ فرمایا ہوتا تو معترض کا اعتراض درست ہو سکتا تھا۔ لیکن آپ نے فرمایا تھا کہ "نجات یہودیوں میں سے ہے"۔ یعنی نجات کا علم یہود میں سے نکل کر دنیا میں پھیلے گا۔ اہل یہود دنیا میں نجات پھیلانے کا وسیلہ ہیں۔ خدا نے بنی اسرائیل کو اس لئے منتخب نہیں کیا تھا کہ صرف وہی نجات پائیں بلکہ خدا نے یہود کے سپرد یہ خدمت کی تھی کہ وہ نجات کا علم دنیا کی اقوام میں پھیلائیں۔ اس رسالہ کی فصل دوم میں ہم یہ ثابت کر آئے ہیں کہ خدا نے اپنی توحید کے علم کو پھیلانے کے لئے بنی اسرائیل کو خادم کے طور پر چنا تھا نہ کہ منظورِ نظر کے طور پر چنا تھا۔ ان کی صحف انبیاء اس امر کی شاہد ہیں کہ "امت اسرائیل غیر قوموں کو روشنی دینے والا نور" مقرر کی گئی تھی (لوقا۲: ۳۲)۔ مثلاً اے بنی اسرائیل تم میرے گواہ ہو اور میرا خادم بھی جسے میں نے برگزیدہ کیا۔ میں ہی خدا ہوں سو تم

[1] Rashdall, Consceince and Christ .pp.79-85

میرے گواہ ہوگے۔ میں تجھے اقوام کے لئے نور کروں گا اور زمین کی انتہا تک تم میری نجات کے پیغامبر ہوگے۔" غرض یہ کہ جس طرح جرمن نقاد ولہاسن (Wellhasusen) کہتا ہے کہ

"بنی اسرائیل کا یہ عقیدہ تھا کہ لا الہ الا اللہ اسرائیل رسول اللہ۔ اہل یہود کی روزانہ دعا میں یہ فقرہ ہے"۔

اے خداوند ہمارے خدا کل کائنات کے بادشاہ تو مبارک ہے کہ تونے ہم کو اقوام عالم میں سے چن لیا ہے۔

(۲)

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ کیوں خدا نے خاص قوم یہود کو دنیا میں نجات کا پیغام دینے کے لئے منتخب کیا اور دوسری قوموں کو اس کے ذریعہ اپنے علم کا نور بخشا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ع

ہر کسے را بہر کارے ساختند

الہیٰ انتظام ہی ایسا ہے کہ قدرت نے مختلف نعمتیں مختلف افراد اور اقوام کو عطا فرمائی ہیں اور یہ انتظام ہم کو دنیا کی چھوٹی بڑی شے میں دکھائی دیتا ہے۔ مثلاً ہمارے بدن کے مختلف اعضا کے سپرد مختلف کام کئے گئے ہیں اور تمام اعضا مل کر بدن کا سارا کام سرانجام دیتے ہیں۔ خدا نے ہاتھ کے سپرد ایک کام کیا ہے۔ آنکھ کو دوسرا کام دیا ہے۔ کان کو تیسرا علیٰ ہذا القیاس (اسی طرح) ہر ایک عضو کے سپرد ایک خاص کام ہے جو صرف وہی عضو بہترین طور پر کر سکتا ہے اور کوئی دوسرا عضو اس خاص کام کو سرانجام نہیں دے سکتا۔ اسی طرح انسان کی تمدنی زندگی میں ایک استاد ہے تو دوسرا لوہار ہے۔ ایک سُنار ہے تو دوسرا طبیب ہے۔ علیٰ ہذا القیاس ہر شخص کے سپرد قدرت نے ایک خاص کام کیا ہے اور اس خاص کام کرنے کے واسطے اس کو پیدا کیا ہے۔ وہ کام صرف وہی بہترین طور پر کر سکتا ہے اور دوسرا شخص اس کام کو ویسی خوش اسلوبی کے ساتھ انجام نہیں دے سکتا۔ لیکن تمام افراد مل کر سوسائٹی کے کام کو چلا رہے ہیں۔ اسی طرح قوموں کے سپرد قدرت نے مختلف نعمتیں کی ہیں۔ اگر ہندوستان کو فلسفہ عطا کیا ہے تو روم کو قانون سازی کی نعمت عطا کی ہے۔ اگر جرمنی کو بال کی کھال نکالنے کی نعمت عطا کی ہے، تو انگلستان کو تجارت کرنے کی نعمت عطا کی ہے۔ اگر یونان کو علم و فضل سے مالا مال کیا ہے تو یہود کو خدا نے اپنی نجات کا علم بخشا ہے۔ غرض یہ کہ قدرت نے ہر قوم اور ملک کو مختلف کام سپرد کئے ہیں اور تمام اقوام اور ممالک مل کر نظام عالم کو چلا رہے ہیں۔ جس طرح قدرت نے یونان کے ذریعہ تمام دنیا میں علم اور فلسفہ کی اشاعت کی ہے اور اس کے سپرد یہ خدمت کی کہ دنیا بھر میں علم اور فلسفہ کو پھیلائیں اسی طرح روم کے سپرد یہ خدمت کی کہ دنیا کو قانون سازی کا علم سکھائے۔ اسی طرح قدرت نے اہل یہود کے سپرد یہ خدمت کی کہ دنیا میں خدائے واحد کی ہستی کا اور اس کی ذات وصفات اور نجات کا علم پھیلائیں جس طرح یہ ایک تواریخی حقیقت ہے کہ تمام دنیا علم اور فلسفہ کے لئے یونان کی ممنون ہے اور قانون سازی کے لئے روم کی مرہون منت ہے۔ اسی طرح یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کلُ دنیا خدائے واحد برحق اور لازوال کے علم اور اس کی نجات کے نور کے لئے اہل یہود کی شرمندہ احسان ہے۔

(۳)

جب ہم اہل یہود کی تاریخ پر نگاہ کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ اس قوم میں جس کی ابتدا صحرا سے ہوئی اور دیگر شامی اقوام مثلاً اسماعیلی، ادومی، موآبی، امونی وغیرہ اقوام میں (جن کے ساتھ ابتدا میں یہودی قوم کا خونی رشتہ تھا)۔ زمین وآسمان کا فرق ہے۔ دیگر اقوام جس سطح پر پہلے تھیں وہیں رہیں اورانہوں نے اس سے آگے ایک قدم بھی نہ بڑھایا۔ بلکہ ان کو ایسا زوال آیا کہ دورِ حاضرہ میں کوئی ان اقوام کے نام سے بھی واقف نہیں۔ لیکن قوم بنی اسرائیل نے صحرائی فضا سے نکل کر حیرت انگیز ترقی کی۔ وہ مصر میں گئے لیکن مصر کی زبردست تہذیب ان کو جذب نہ کر سکی۔ حالانکہ وہ اس ملک میں غلامی کی حالت میں رہے۔ جب انہوں نے کنعان میں بدوُباش اختیار کی تو وہ اپنے ارد گرد کی کنعانی، فلستی اور دیگر بُت پرست ہمسایہ اقوام کی مشرکانہ راہ پر نہ چلی۔ مابعد کے زمانہ میں اس قوم کا سابقہ ارام، اسیریا، بابل، مصر اور ایران ویونان وروم کے ساتھ پڑا اور ان میں سے بعض ممالک اس پر حکمران بھی رہے، لیکن ان میں سے کوئی بھی اسرائیل کی ہستی کو مٹا نہ سکے۔ ایک زمانہ میں اس کا سابقہ فینیشیا(Phoenicia) کے ساتھ پڑا جو ایسی زبردست بحری طاقت تھی کہ دنیا کو اپنے قبضہ میں لانے کے لئے سلطنت روم کا مقابلہ کرتی تھی۔ لیکن قوم یہود کے سامنے اس کی ایک نہ چلی۔ بحیرہ متوسط کے مشرقی ساحل کے ارد گرد کے ممالک میں سکندر اعظم کی فتوحات کی وجہ سے یونانی تہذیب حکمران رہی اور جب روم نے ان ممالک کو فتح کیا اس زمانہ میں بھی یونانی علم ادب اور تہذیب کا دور دورہ تھا اور ساتھ ہی رومی تہذیب کا سکہ بھی جم گیا۔ اس یونانی رومی تہذیب کے غلبہ نے بحیرہ متوسط کے ممالک کی تہذیب کا خاتمہ کر دیا اور معاملہ یہاں تک پہنچا کہ مصر کی زبردست تہذیب کے پاؤں بھی اکھڑ گئے اور وہ بھی تاب مقابلہ نہ لا سکی، لیکن یہ یونانی رومی تہذیب اپنی تمام طاقت کے باوجود قوم اسرائیل کے مذہب کی بلندی اور رفعت کو قبول کئے بغیر کوئی چارہ نہ دیکھا۔ بنی اسرائیل نے ابتدا سے لے کر آخر تک اپنی انانیت (خودی، غرور، خودستائی) کو ہاتھ سے نہ کھویا۔ روئے زمین کی تاریخ میں قوم اسرائیل کی جداگانہ ہستی ایک ایسا معجزہ ہے جس سے کسی مورخ کو مجال انکار نہیں۔ یہ قوم فخریہ کہہ سکتی ہے کہ

یونان ومصر وروما سب مٹ گئے جہاں سے
مٹتا نہیں ہے لیکن نام ونشاں ہمارا
کچھ بات ہے کہ ہستی مٹتی نہیں ہماری
صدیوں رہا ہے دشمن دور فلک ہمارا

ہم کو یہ فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ فی زمانہ جب ہم یونان اور روم کی تہذیب کا ذکر کرتے ہیں تو وہ یونان اور روم جن کی تہذیب کا ذکر کیا جاتا ہے صفحہ ہستی سے ہمیشہ کے لئے مفقود ہو چکے ہیں۔ گو یہ ممالک آج کل دنیا کے نقشہ پر موجود ہیں اور یونان میں بستے ہیں اور روم ایک بڑی طاقت ہے لیکن دورِ حاضرہ کے یونان اور روم کا قدیم یونان اور روم کی تہذیب سے رتی بھر تعلق نہیں۔ وہ تہذیب مٹ چکی ہے اور حرف غلط کی طرح محو ہو چکی ہے۔ لیکن بنی اسرائیل کا یہ حال نہیں۔ ان کی تہذیب مردہ نہیں اگرچہ وہ ارض مقدس میں من حیث القوم (کاہنوں کی مملکت) نہیں بستے۔

آخر کوئی وجہ تو ضرور ہے کہ یہ قوم جس کی سیاسی اور دنیاوی نقطہ نگاہ سے کچھ حیثیت نہیں زندہ ہے۔ اس کی وجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ رب العالمین نے اپنی پروردگاری میں اس حقیر قوم کو خاص طور پر چن لیا تھا تاکہ اقوام عالم کو خدا کا سبق سکھلائے۔ قوم یہود کو بھی اپنے مشن کا احساس تھا اسی لئے اس نے اپنے آپ کو کسی مشرکانہ بُت پرست قوم کفار میں جذب ہونے نہ دیا۔ ان کی تاریخ اس پیش گوئی کو ثابت کرتی ہے جو بلعام نے ان کی نسبت کی تھی کہ "یہ لوگ اکیلے سکونت کریں گے اور قوموں کے درمیان شمار نہ کئے جائیں گے" (گنتی ۲۳:۹)۔ ان کو بخوبی معلوم تھا کہ "خداوند نے یعقوب کو اپنے واسطے چن لیا اور اسرائیل کو اپنے خاص خزانے کے واسطے چنا" (زبور ۱۳۵:۴)۔ اس انتخاب کا مطلب یہ نہیں تھا کہ بنی اسرائیل کی قوم خدا کی منظورِ نظر ہے یا وہ جو چاہیں سو کریں خدا ہر حال میں ان کا مددگار ہوگا۔ بلکہ خدا نے صاف طور پر ان کو بتلا دیا تھا کہ اس خاص تعلق کی وجہ سے ان پر چند ایک ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، کیونکہ یہ ایک قانونِ فطرت ہے کہ "جس کو زیادہ دیا جاتا ہے اس سے زیادہ طلب کیا جاتا ہے"۔ چنانچہ خداوند نے حضرت عاموس کے ذریعہ ان کو خبردار کر دیا تھا اور فرمایا تھا "اقوامِ عالم میں سے میں نے صرف کو تم کو جانا ہے اس لئے میں تم کو تمہاری ساری بدکاریوں کے لئے سزا دوں گا" (عاموس ۳:۲)۔ پس انتخاب کا مطلب یہ نہ تھا کہ بنی اسرائیل کی ذات کو فائدہ پہنچے بلکہ خدا کا یہ ازلی ارادہ تھا کہ بنی اسرائیل خدا کی معرفت کے لئے ایک تبلیغی قوم ہو۔ غیر اقوام کے درمیان وہ چمکنے والا نور ہو تاکہ سیدنا مسیح کی نجات کا علم پھیلانے کے لئے وہ اقوام عالم کو تیار کرے۔ اور منجیِ عالمین کے پیغام کی پیشرو ہو۔ پس بنی اسرائیل کا یہ مشن تھا کہ یہ قوم خدا کے علم کو اقوامِ عالم میں پہنچانے کی خدمت کو پورا کرے اور اس قوم کو یہ احساس تھا کہ ان کی قوم فنا نہیں ہو سکتی تاوقتیکہ وہ اپنے مشن کو پورا نہ کرے (حزقی ایل ۳۷:۲۰ تا ۲۸)۔ یہ ایک تواریخی حقیقت ہے کہ اس نکتہ نگاہ سے کل اقوام عالم میں کوئی دوسری قوم بنی اسرائیل کی ہم پلہ نہیں ہوئی۔

ابتدا ہی سے بنی اسرائیل اپنے خدا میں وحدانیت، قدوسیت، پاکیزگی اور رحم کی صفات کے قائل تھے۔ یہ صفات نہ تو ان کی ہمسایہ اقوام کے معبودوں میں اور نہ دنیا کی کسی قوم کے معبودوں میں پائی گئیں۔ نہ تو ان معبودوں کے پرستاروں نے اپنے دیوی دیوتاؤں میں یہ صفات پائیں اور نہ یہ معبود اپنے پرستاروں سے پاکیزگی کے طالب ہوئے۔

دنیا کی تمام دیگر اقوام کی تاریخ میں ایک ایسا زمانہ آیا۔ جب ان اخلاقی نشوونما اس قدر ترقی کر گئی کہ وہ اپنے دیوی دیوتاؤں اور معبودوں کی صفات وعادات کی نکتہ چینی کرنے لگے۔ مثلاً کہ وہ چوری یا زناکاری کے مرتکب تھے۔ بلکہ زناکاری بعض اقوام کی پرستش کا حصہ تھی۔ جس طرح اہلِ ہنود کے بعض دیوی دیوتاؤں کی پرستش کا حصہ ہے۔ لیکن قوم اسرائیل کی تاریخ میں ایسا وقت کبھی نہ آیا۔ اسرائیل کا خدا خدائے قدوس اور تمام صفاتِ حسنہ کا جامع تھا جو اپنے پرستاروں سے پاکیزگی کا طالب تھا۔ تاریخ گواہ ہے کہ خدا نے صرف بنی اسرائیل کے ذریعہ اقوامِ عالم کو یہ تعلیم دی کہ خدا کی ذات نہ صرف ہر طرح کی بدی سے منزہ اور مبرا ہے بلکہ وہ ایک ایسی واحد اکبر اور قدوس ہستی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ "تم پاک ہو کیونکہ میں پاک ہوں" (احبار ۱۱:۴۴)۔

یہی وجہ تھی کہ سیدنا مسیح نے اہل یہود کے درمیان اپنی خدمت کو ایک حد تک محدود رکھنا مناسب خیال فرمایا اور ہمیشہ عہد عتیق کی کتب کا ہی استعمال فرمایا۔ آپ کی تعلیم میں اہل یہود کی لٹریچر کے علاوہ کسی اور قوم کے علم ادب کا ذکر نہیں پایا جاتا۔ حالانکہ اگر آپ چاہتے تو قدیم یونان کے

فلسفیانہ خیالات اورایران وہندوستان کے مذاہب کی کتُب کا ذکر کرسکتے تھے لیکن آپ نے ایسانہ کیا کیونکہ اہل یہود میں قدرت نے مذہبی مزاج اورالہیٰ رغبت ودیعت کررکھی تھی۔

(۴)

اہل یہود سامی نسل کے تھے اور دنیا کے بہترین انبیااور تمام مذاہب کے عظیم الشان اشخاص اسی نسل سے پیدا ہوئے ہیں۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے لے کر رسولِ عربی تک جتنے انبیاءاور مصلحین پیدا ہوئے ہیں سب اسی نسل کے تھے۔ اہل یہود نے ہی خدا کا علم دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیلا دیا۔ آج دنیا کے عظیم الشان مذاہب نے صرف یہودیت سے ہی توحید کا علم پایا۔ مسیحی کتب مقدسہ میں یہودی کتب مقدسہ شامل ہیں اوراسلام کی کتاب قرآن مجید ببانگ دہل (نقارہ کی چوٹ پر) پکار کر یہودی کتب مقدسہ کو بنی نوع انسان کے لئے ہدایت ،نور کامل، نعمت ،رحمت، رہنماوغیرہ قرار دیتی ہے اوران کو امام الکتب والناس بتلاتی ہے اور بانی اسلام اوراہل اسلام کو ہدایت کرتی ہے کہ ان کتب مقدسہ کے احکام پر چلیں۔

(۵)

اہلِ یہود کی کتب مقدسہ سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح خدانے قوم اسرائیل کو اپنا پیغام تمام دنیا کو پہنچانے کی خدمت عطا فرمائی اور بنی اسرائیل کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح خدانے اس قوم کی تاریخ کی مختلف منازل میں اس کو اس مبارک خدمت کو سرانجام دینے کے لئے تیار بھی کیا۔ پس منجیِ کونین نے اس قوم میں کام کیا جس میں خدانے خاص طور پر اپنا علم ودیعت کررکھا تھااور جس کے سپرد یہ خدمت کی گئی تھی اور جو اس خدمت کے لئے الہیٰ انتظام کے مطابق تیار بھی کی گئی تھی۔ آپ نے اپنے کام اور پیغام کو اسی قوم میں حدتک محدود رکھا تاکہ اس کو مبارک خدمت کے لئے زیادہ تیار کریں۔ کلمتہ اللہ اس دنیامیں نور ہوکر آئے اور تمام دنیا بھر کی اقوام میں صرف اہل یہود ہی ایسے تھے جن کو خدانے اپنی نجات کا علم پھیلانے کے لئے تیار رکھا تھا۔ وہ خدائے واحد قدوس کے قائل تھے اورمانتے تھے کہ حی القیوم خدا اس کائنات کا خالق اور پروردگار ہے۔ جس نے دنیا کو ایک خاص مقصد کی خاطر پیدا کیا ہے۔ اور واقعاتِ عالم میں سے کوئی واقعہ بھی اس کے علم اور ارادہ کے بغیر وقوع پذیر نہیں ہوتا۔ ان کے پاس مقدس کتابیں تھیں۔ ان کے پاس انبیا آئے تھے جو مسیح موعود کی آمد، صفات، خصوصیات آپ کی صلیبی موت اور قیامت کی پیش گوئیاں کرچکے تھے۔ اہل یہود اس مسیح موعود کی آمد کے انتظار میں بے قرار تھے۔ پس ابن اللہ نے اپنی دور اندیشی اور حکمتِ عملی اور نکتہ رس (تیز فہم) طبیعت کی وجہ سے اس تیار زمین میں اپنی تعلیم کا بیج بویا (متی ۱۳: ۲تا۹)۔ سیدنا مسیح نے بنی اسرائیل میں ایمان دیکھا اوران میں وسیع پیمانہ پر اپنا کام کیا۔ خداوند ایمان کی تلاش میں تھے اور جہاں کہیں آپ نے ذرا بھی ایمان دیکھا وہاں آپ نے کام کیا خواہ وہ ایمان اہل یہود میں دیکھا خواہ غیر یہود میں (مرقس ۵: ۱۹وغیرہ)۔ جہاں سیدنا مسیح نے تیار زمین دیکھی وہاں آپ نے اپنی تعلیم کا بیج بو دیا (متی ۱۳: ۳۸تا۳۹)۔ چونکہ سب سے زیادہ تیار زمین آپ کو اہل یہود میں ہی ملی لہذا آپ نے تین سال کے مختصر عرصہ میں اپنے کام اور پیغام کو ایک حدتک اہل یہود میں محدود رکھا۔ کیونکہ غیر اقوام خدا سے ناواقف اور بُت پرست تھیں۔ نہ وہ خدا پر ایمان رکھتی تھیں، نہ صحف مقدسہ ان کے پاس تھیں اور نہ وہ مسیح موعود کی منتظر تھیں۔ ان کے سمجھانے کے لئے ایک

عرصہ دراز اور مبلغین کی کثیر تعداد کی ضرورت تھی اور یہاں سیدنا مسیح کے پاس صرف آپ کی زندگی کے چند ماہ اور معدودے چند (گنتی کے، بہت تھوڑی تعداد میں) حوارئین تھے جو آپ کی زندگی کے آخر تک آپ کے پیغام کی تہ کو نہ پاسکے (لوقا ۲۲: ۲۴، متی ۲۰: ۲۵، لوقا ۲۴: ۴۴، اعمال ۱: ۶ وغیرہ)۔ پس سیدنا مسیح نے اپنی دوراندیشی اور حکمتِ عملی کو کام میں لاکر اپنی خدمت کا اکثر حصہ اہل یہود میں صرف کیا تاکہ وہ اس برگشتہ قوم کو دوبارہ خدائے واحد کے قدموں میں لاکر ان کو اپناوہ نصب العین یاد دلائیں جو ان کی کتبِ مقدسہ میں بار بار بتلایا گیا تھا اوران کے انبیاء نے جو کئی صدیوں سے خدا کی طرف سے مامور ہو کر ان کی طرف آئے تھے ان کو بار بار بتلایا تھا۔ کہ وہ اقوام عالم میں خدا کی نجات کی اشاعت کا وسیلہ بننے کے لئے اپنے آپ کو تیار کریں۔

(۶)

دورِ حاضرہ میں ہم ہندوستان کے مسلمانوں اور ہندوؤں کی مثال دے کر اپنے مطلب کو واضح کر دیتے ہیں۔ اگر کوئی شخص مسلمانوں میں سے مسیحیت کا حلقہ بگوش ہو جائے اور وہ اپنے خداوند اور منجی کے پیغام کو اپنے ہم وطنوں پر ظاہر کرنا چاہے تو وہ ہندو اور مسلم جماعتوں میں سے کس جماعت میں پہلے اپنی تبلیغی کوششوں کو شروع کرے گا؟ اگر اس کو یہ علم ہو کہ اس کی زندگی کے چند ماہ باقی ہیں اور اس کے معدودے چند شاگرد اس کے کلام کو کماحقہ نہیں سمجھتے اور اگر وہ خود ہندو مذہب کے عقائد ورسوم اور زبان وغیرہ سے نابلد (ناآشنا، ناواقف) ہو لیکن مسلم عقائد رسوم اور عربی فارسی زبان سے واقف ہو تو یہ ظاہر ہے کہ وہ اپنی خدمت کا اکثر حصہ مسلم حلقوں میں صرف کرے گا۔ کیونکہ مسلمان خدا پر، خدا کی کتابوں، رسولوں پر، نبوت پر، قیامت پر، حشر ونشر پر ایمان رکھتے ہیں۔ وہ کلمتہ اللہ سے نہ صرف واقف ہیں بلکہ آپ پر ایمان رکھتے ہیں۔ قرآن وحدیث میں آپ کی بابت بکثرت تصریحات (تصریح کی جمع، تشریح، صاف طور پر بیان کرنا) موجود ہیں اوراہل اسلام آپ کی آمد ثانی کے منتظر اوربے قرار ہیں۔ اس کے برخلاف اہلِ ہنود مسیح سے محض نابلد ہیں۔ نہ ان کے ویدوں میں آنخداوند کا ذکر ہے نہ ان کی کتب میں آپ کا نام اور نشان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسیحی کلیسیا اہل اسلام میں زیادہ سہولت کے ساتھ کام کر سکتی ہے۔

(۷)

تاریخ اس امر کی گواہ ہے کہ منجی عالمین کے یہودی نژاد (حسب، نسب) شاگردوں نے غیر اقوام میں منجی عالمین کے پیغام کو پھیلایا۔ آپ کے رسول سب یہودی قوم کے تھے اور وہی غیر اقوام کے رسول بھی ہوئے۔ ہم فصلِ چہارم وپنجم میں اس بات کا مفصل ذکر کریں گے کہ غیر یہود اقوام کی کلیسیائیں انہی یہودی نسل کے رسولوں کی وساطت سے منجیِ عالمین کے قدموں میں آئیں۔ پس یہ زیرِ بحث سیدنا مسیح کی دورُبین نگاہوں اور حکمتِ عملی اور دورُاندیشی اور معاملہ فہمی پر دلالت کرتی ہے نہ کہ آپ کے مشن کے محدود ہونے پر دلیل ہے۔

مسیحی نجات کی عالمگیری

پس کلمتہ اللہ کے کلمات طیبات، احکام، ہدایات، پیغام، لائحہ عمل اور طرزِ عمل سے ہر منصف مزاج شخص یہی نتیجہ اخذ کریگا کہ آپ کی نظر تمام دنیا کی کل اقوام پر تھی۔ دورِ حاضرہ میں ڈاکٹر مونٹی فیوری سے زیادہ قابل شخص یہودیت میں نہیں ہے۔ ہم اس کے الفاظ ذیل میں درج کرتے ہیں تاکہ معترضین ان پر غور کرکے اپنے خیالات کی صیقلی (صاف، چمک) کر سکیں۔ یہ یہودی عالم سوال کرتا ہے کہ

> کیا مسیح کی بادشاہت عالم گیر ہے؟ کیا اس نئی بادشاہت میں قومیت کی امتیاز نہیں ہے؟ کیا یہود اور غیر یہود مسیحی خدا کے سامنے برابر ہیں؟ ان سوالات کے جواب میں کہتا ہے کہ یہ ماننے کے لئے کافی دلائل موجود ہیں کہ دیگر یہودی انبیا کی طرح سیدنا مسیح کا بھی خیال تھا کہ اس کی نئی بادشاہت میں غیر اقوام کے ایماندار خارج شدہ یہودی گنہگاروں کی جگہ لے لیں گے۔ مشرق اور مغرب شمال اور جنوب سے غیر اقوام آئیں گی اور آسمانی ضیافت میں ابراہیم کی حقیقی اولاد بنی اسرائیل کے ساتھ برابری کے درجہ حاصل کریں گی۔ ایک اور امر میں جنابِ مسیح کے خیالات اپنے ہمعصروں کے خیالات سے بلند وبالا تھے۔ اس نے اہل یہود کی قومی تنگ نظری کو بالکل نظر انداز کر دیا جہاں تک ان غیر مکمل متعصب اور یک طرفہ انجیلی بیانات سے پتہ چل سکتا ہے ہم کو ماننا پڑتا ہے کہ سیدنا مسیح اپنی بادشاہت کو کوئی یہودی سلطنت خیال نہیں کرتا تھا۔ اس کی بادشاہت میں یہود کو غیر یہود پر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ اس بادشاہت میں نہ کوئی حکم ہے نہ کوئی محکم اور نہ کوئی باجگزار ہے۔ اگر بادشاہت میں کوئی درجہ بندی ہے تو وہ خدمت کے لحاظ سے ہے۔ اس میں سب سے بڑا وہ ہے جو سب کا خادم ہے۔ [1]

ایک اور یہودی ربی ڈاکٹر کلاسنر کہتا ہے کہ

> جنابِ مسیح نے یہودی انبیا کی تعلیم سے تمام قومی اور سیاسی امور کو خارج کرکے اپنی تعلیم کو عالمگیر بنادیا [2] پھر ایک اور جگہ کہتا ہے کہ " یہ حق ہے کہ یہودیت سے مسیحیت پیدا ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ یہودیت اور مسیحیت میں مماثلت اور مشابہت ہے لیکن یہ بھی حق ہے کہ یہودیت کے ساتھ مسیحیت نے کسی قسم کی مصالحت نہ کی اور اس نے اپنے اُصول کو اپنی راہ پر چلایا اور یہی وجہ ہے کہ یہودیت اور مسیحیت میں مغائرت اور فرق عظیم ہے [3]

---

[1] Montifiori, Religious Teachings of Jesus

[2] Klausner, Jesus of Nazareth, pp.117,369-411

[3] IBID.p 10

ہمیں امید ہے کہ اہل اسلام اہل یہود ہی سے انصاف کی بات کرنا سیکھیں گے جن کو قرآن نے گدھے کی طرح حامل تورات (سورہ جمعہ آیت ۴)۔ "ناخلف" (اعراف ۱۶۸، مریم ۶۰) اور "سیاہ دل" (مائدہ ۱۶) کے خطبات دے رکھے ہیں۔

فصل چہارم

حوارئین کی تحریرات اور طریق عمل

اگر کوئی شخص ابن اللہ کے احکام کے حقیقی منشا اور اصلی مطلب کو سمجھ سکتا تھا تو وہ آپ کے حواری تھے۔ آپ کے رسول آپ کی صحبت سے ہر وقت فیض یاب ہوتے تھے۔ چنانچہ ان کو یہ شرف حاصل تھا کہ انہوں نے آپ کے کلماتِ طیبات کو "خود اپنے کانوں سے سنا اور آپ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا بلکہ غور سے دیکھا اور اپنے ہاتھوں سے چھوا۔ ہم نے اس کو دیکھا اور اس کی گواہی دیتے ہیں اور اسی ہمیشہ کی زندگی کی تم کو خبر دیتے ہیں۔ جو کچھ ہم نے دیکھا اور سنا ہے اس کی تم کو خبر دیتے ہیں تا کہ تم بھی ہمارے شریک ہو اور یہ باتیں ہم اس لئے لکھتے ہیں کہ ہماری خوشی پوری ہو جائے" (۱۔ یوحنا پہلا باب)۔ یہ حوارئین تبع تابعین کے گروہ میں سے نہ تھے بلکہ یہ وہ لوگ تھے جن کو آپ کی رفاقت میں رہنے کا فخر ہر وقت حاصل تھا اور آپ کے اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے، کھانے پینے، سونے جاگنے، ہنسنے رونے، مذاق طبعیت، اندازِ گفتگو، طرزِ زندگی، غرضیکہ آپ کی ایک ایک ادا سے واقف تھے۔ وہ کلمتہ اللہ کے ساتھ شروع سے آخر تک رہے (یوحنا ۱۵:۲۷۔ اعمال ۱:۲ وغیرہ)۔ پس آپ کے رسول مابعد کی نسلوں سے زیادہ اور گمراہ کن مفسرین سے کہیں زیادہ اپنے آقا اور مولا کے نصب العین مطمع نظر اور اصلی مقصد کو جانتے تھے۔ جب ہم ان شاگردوں اور حواریوں کے لائحہِ عمل، طرزِ عمل، تعلیم، ہدایات اور احکام پر غور کرتے ہیں تو ہم پر یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ منجیِ عالمین کے سب شاگرد اور کل حوارئین یہی سمجھے کہ آنخداوند صرف اہل یہود کے لئے مبعوث ہو کر نہیں آئے تھے۔ بلکہ آپ دنیا کی کل اُقوام اور بنی نوع انسان کے منجی ہو کر اس دنیا میں آئے تھے۔

(۲)

خداوند کی آخری ہدایات کے مطابق شاگردوں نے اول ہی اول یروشلیم میں گواہی دینی شروع کی۔ ابن اللہ کے صعود آسمانی کے بعد مومنین کا گروہ مبلغین کی عظیم الشان جماعت میں تبدیل ہو گیا۔ انہوں نے یروشلیم کو مرکزی مقام قرار دے کر آس پاس کے گاؤں، قصبوں اور شہروں میں انجیل کی بشارت کی خدمت شروع کر دی۔ اہل یہود ان کو طرح طرح کی ایذائیں دینے لگے تا کہ وہ اس بات سے باز آجائیں (اعمال ۴:۱۸) لیکن

گشتگان خنجر تسلیم را۔ ہر زماں از غیب جانے دیگر است

ایذا رسانیوں نے ان کی آتش شوق کو دوبالا کر دیا۔ ع

حدیٰ راتیز ترمیخوں چو محمل راگراں بنی

فلپس شہر سامریہ میں جاکر منادی کرنے لگا اور لوگوں نے بالا اتفاق اس کی باتوں پر جی لگایا۔ جب رسولوں نے جو یروشلیم میں تھے سنا کہ سامریوں نے خدا کا کلام قبول کر لیا تو پطرس اور یوحنا کو ان کے پاس بھیجا وہ گواہی دے کر اور خدا کا کلام سنا کر یروشلیم کو واپس ہوئے اور سامریوں کے بہت سے گاؤں میں خوشخبری دیتے گئے "(اعمال ۸ باب)۔ جائے غور ہے کہ وہ یہود جو سامریوں کے ساتھ صدیوں سے پر خار (تکلیف دہ) رکھتے تھے مسیح میں ہو کر اپنے یہودی تعصبات سے کلیۃً ایسے آزاد ہو جاتے ہیں کہ اپنے جانی دشمنوں کو مسیحی اخوت کی عظیم الشان برادری میں داخل کرنے کے لئے سر توڑ کوشش کرتے ہیں۔ اب کی دفعہ جب مقدس یوحنا سامریہ میں گیا ہو گا تو کیا وہ جگر خراش (نہایت رنج دہ) واقعہ یاد نہ آیا ہو گا "جب سامریوں نے خداوند کو اور آپ کے شاگردوں کو اپنے گاؤں سے نکال دیا تھا اور ایسا بُرا سلوک کیا تھا کہ مقدس یوحنا کا جی چاہتا تھا کہ آگ آسمان سے برسے اور ان کو بھسم کر دے "(لوقا ۹: ۵۴)۔ لیکن سیدنا مسیح کی روح نے ہر طرح کی کدورت اور ملال بغض اور عداوت کو اس کے دل سے نکال دیا (لوقا ۹: ۵۵) اور وہ "سامریہ کے بہت سے گاؤں میں خوشخبری دیتے گئے " اور ان کے باشندوں کو مسیحی کلیسیا کی برادری میں شامل کرتے گئے "(اعمال ۸: ۱۷)۔

مقدس فلپس نے ایک حبشی وزیر کو بپتسمہ دیا (اعمال ۸: ۳۸) مقدس پطرس نے کرنیلیس کو جو غیر قوم اور اٹلی کا صوبہ دار تھا بپتسمہ دیا۔ (اعمال ۱۰: ۴۸)۔ اور اس کے گھر میں غیر یہود کو انجیل جلیل کی عالمگیری پر درس دیا (اعمال ۱۰ باب)۔ منجی کونین کے مصلوب ہونے کے تین سال کے اندر مسیحیت دمشق تک پھیل گئی۔ وہاں اس نے ایسی جڑ پکڑی کہ یروشلیم کے سردار کاہنوں نے ساؤل کو خطوط دئے تاکہ جن لوگوں کو وہ مسیحیت پر پائے "خواہ مرد خواہ عورت ان کو باندھ کر یروشلیم میں لائے "(اعمال ۹: ۲) مقدس ستفنس کے شہید ہونے پر سیدنا مسیح کے نام کا پرچار انطاکیہ تک چلے گئے اور انہوں نے یونانیوں کو بشارت دی " اور خداوند کا ہاتھ ان پر تھا اور بہت سے لوگ ایمان لا کر خداوند کی طرف رجوع لائے۔ ان لوگوں کی خبر " یروشلیم کی کلیسیا کے کانوں تک پہنچی اور انہوں نے برنباس کو انطاکیہ تک بھیج دیا۔ وہ پہنچ کر اور خدا کا فضل دیکھ کر خوش ہوا "(اعمال ۱۱: ۲۱)۔ واقعہ صلیب کے تین سال کے اندر اندر شاگردوں نے یہ سب کچھ کر دیا۔ روسائے (شرمندہ) یہود نے منجیِ عالمین کو مصلوب کرکے اپنے زعم باطل میں آپ کی رسالت اور نجات کے پیغام کا خاتمہ کر دیا تھا۔ لیکن وہ اب خواب گراں سے جاگے۔ انہوں نے یہودیت کو قائم رکھنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے شروع کئے اور بے گناہ مسیحیوں کو ایذا دینے پر کمر باندھ لی، لیکن شہیدوں کا خون کلیسیا کا بیج ثابت ہوا۔ خداوند کے مصلوب ہونے کے بیس سال کے اندر انطاکیہ جو شرکِ زناکاری اور شہوت پرستی کا گھر تھا۔ انجیل جلیل کی بشارت کا صدر مقام بن گیا۔ اس جگہ سے سلطنت روما کے مختلف صوبے مثلاً گلاتیہ، مقدونیہ، آکیہ، ایشیائے کوچک وغیرہ کے بعد دیگرے مسیحیت کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ اسی صدر مقام سے افسس اور جزائر ایجیین میں بشارت کا کام ادا کیا گیا۔ انجیل کے علم بردار سمندر پار کرکے شہر روم میں جا پہنچے جو اس زمانہ کی معلوم دنیا کا مرکز تھا۔

سیدنا مسیح کی موت کے چالیس سال بعد رومی افواج نے یروشلیم کو تباہ اور برباد کر دیا اور اس واقعہ کے بعد مسیحیت اور یہودیت کے تعلق کا آخری رشتہ ٹوٹ گیا اور خداوند کے حوارئین اور تابعین نے پہلی صدی کے اختتام سے پیشتر غیر اقوام اور غیر یہود علاقوں میں روم اور افسس جیسی مختلف اور دورُ دراز جگہوں میں تبلیغی مساعی کے صدر مقام بنالئے۔(Harnack, Expansion of Christianity) صلیب کے رسول یونان کو

بھی انجیل کا فرحت افزا پیغام سنا گئے اور جزیرہ نما اطالیہ اور ہسپانیہ غرض "زمین کی انتہا" تک مژدہ جان فزا دے گئے۔ خداوند کے حواریوں اور رسولوں نے اس زمانہ کی معلوم دنیا کے ہر ملک اور ہر قوم کو منجی عالمین کی نجات کا پیغام دے دیا۔

(۳)

قابل غور بات یہ ہے کہ یہ مبلغین جنہوں نے انجیل کی خاطر ایسی شاندار خدمات سرانجام دیں یہودی نسل کے لوگ تھے۔ ہم گذشتہ فصل میں بتلا چکے ہیں کہ یہود کس نفرت کے ساتھ غیر یہود سے پیش آتے تھے۔ لیکن ابن اللہ کی تعلیم اور نمونہ نے اور مسیح کی روح نے ان مبلغین کے دلوں میں سے ہر قسم کے قومی اور نسلی امتیازات اور تعصبات کو نکال دیا تھا۔ رسولوں کے اعمال کی کتاب کا مصنف خود غیر اقوام میں سے مشرف بہ مسیحیت ہوا تھا۔ لیکن اس کتاب کے کسی لفظ سے بھی یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ مسیحی کلیسیا کی اخوت اور برادری میں یہودی عنصر نے غیر یہود کو جو مسیح پر ایمان لائے تھے نفرت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھا ہو یا غیر یہود نے جو مسیحیت کے حلقہ بگوش ہو گئے تھے۔ ان لوگوں کو جو اہل یہود سے کلیسیا میں داخل ہوئے تھے بغض یا عداوت کی نظر سے دیکھا ہو۔ تصنیفِ اعمال الرسل یہ ثابت کرتی ہے کہ اس کے غیر قوم مصنف کو قوم یہود سے کسی قسم کا عناد نہ تھا۔ پس مسیحیت کا یہ معجزہ شروع سے ہی چلا آیا ہے کہ جو اشخاص مختلف اقوام میں سے اس میں داخل ہونے کا شرف حاصل کرتے ہیں وہ ہر طرح کے قومی نسلی امتیازات، تعصبات اور درجہ بندیوں سے آزاد ہو کر مسیحی محبت کے بندوں میں جکڑے جاتے ہیں۔ لیکن

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمہ آفتاب راچہ گناہ

مقدس پولُس اور مسیحیت کی عالمگیری

معترضین جو یہ اعتراض کرتے ہیں کہ کلمتہ اللہ کی رسالت اور پیغام صرف اہل یہود تک ہی محدود ہے۔ اب اس مشکل میں گرفتار ہوئے کہ مسیحیت کی غیر یہود کے درمیان پھیلنے کی حقیقت کی تاویل (بچاؤ کی دلیل) کس طرح کریں۔ انہوں نے یہ رویہ اختیار کیا کہ کلمتہ اللہ کو تو صرف ایک یہودی مصلح بنایا اور غیر یہود کے درمیان انجیل کی اشاعت کا سہرا مقدس پولُس کے سر پر باندھ دیا اور کہا کہ غیر اقوام کے درمیان مسیحیت کی اشاعت کا خیال پولُس رسول کے دل میں پیدا ہوا اور اسی نے مسیحیت کو عالم گیر مذہب بنا دیا ورنہ کلمتہ اللہ نہ تو کسی نئے مذہب کے بانی تھے اور نہ غیر یہود دنیا میں مسیحیت کی اشاعت آپ کے خیال میں کبھی آئی تھی۔

فصل سوم میں ہم نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ یہ خیال بالکل غلط اور باطل ہے۔ سیدنا مسیح نے خود ایک عالمگیر مذہب کی بنیاد رکھی۔ کلمتہ اللہ کے اپنے لائحہ عمل، طرز عمل، تعلیم، ہدایات اور احکام وغیرہ سے یہ ظاہر ہے کہ آپ کا یہ خیال تھا کہ آپ کل دنیا کے منجی ہو کر آئے ہیں۔ یہ اصحاب مقدس پولوس کو وہ وقعت دیتے ہیں جس کا وہ مستحق نہیں ہے۔ مقدس پولُس کے ایک عظیم الشان انسان ہونے میں کسی صحیح العقل شخص کو شبہ نہیں ہو سکتا لیکن ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ "شاگرد استاد سے بڑا نہیں ہوتا" (یوحنا ۱۳: ۱۶)۔ مسیحیت کی اشاعت کا خیال منجیِ عالمین سے شروع ہوا اور مقدس

پولُس کے مسیحی ہونے سے پہلے خداوند کے رسولوں نے غیر یہود اور سامریوں حبشیوں وغیرہ کو مسیحیت کا حلقہ بگوش کر لیا تھا۔ مسیحی ہونے کے بعد مقدس پولُس نے بھی دیگر رسولوں کی طرح (۱۔ کرنتھیوں ۱۵:۱۱) اپنے آقا اور مولا کی ہدایت پر عمل کر کے انجیل جلیل کو غیر اقوام میں پہنچایا (۱۔ کرنتھیوں ۱۵: ۱تا۱۱)۔ اس کی تقریروں اور تحریروں سے ظاہر ہے کہ وہ خداوند کی عالمگیر شخصیت اور جامع ہستی اور عالم گیر نجات کی گرفت میں ایسا جکڑا ہوا ہے کہ وہ انجیل کا پیغام سنائے بغیر رہ نہیں سکتا وہ وارفتہ اور "بے خود" ہے۔ "مسیح کی محبت اس کو مجبور کرتی ہے" (۲۔ کرنتھیوں ۵:۱۳)۔ نجات کا پیغام سنانا اس کی زندگی کے لوازمات میں سے ہے وہ کہتا ہے کہ "اگر میں انجیل سناؤں تو میرا کچھ فخر نہیں کیونکہ یہ تو میرے لئے ضروری بات ہے بلکہ مجھ پر افسوس ہے اگر انجیل نہ سناؤں" (۱۔ کرنتھیوں ۹:۱۶)۔ انجیل کی خاطر اس نے "اپنے آپ کو سب کا غلام بنا دیا" (۱۔ کرنتھیوں ۹:۱۶تا۱۹)۔ ع

اے شیخ پاک دامن معذور دار مارا

تعجب یہ ہے کہ مقدس پولُس اپنے آپ کو خداوند "یسوع مسیح کا عبد" (رومیوں ۱:۱) کہے اور اپنے آپ کو کلمتہ اللہ کا "رسول ہونے کے لائق" نہ سمجھے (۱۔ کرنتھیوں ۹:۱۵)۔ اور یہ اصحاب اس کو اس کے آقا، مولا اور منجی سے افضل سمجھیں یا بوالعجب (انوکھا)! حق تو یہ ہے کہ جیسا پولُس رسول خود اس بات کا اقبال کرتا ہے۔ سیدنا مسیح نے ہی اس کو یہودیت کی غلامی سے آزاد کیا تھا اور اس طرح وہ خود آزاد ہو کر عالم گیر مسیحیت کا بانی نہیں بلکہ آزاد مسیحیت کا ایک اعظیم الشان واعظ بنا۔

من بندہ آزادم عشق است امام من
عشق است امام من عقل است غلام من

(۲)

معترضین اپنے دعویٰ کے ثبوت میں رسولوں کے اعمال کی کتاب کے پندرھویں باب کو پیش کرتے ہیں۔ جب کلیسیا نے یروشلیم میں مسیحیوں کے موسوی شریعت کے تابع ہونے کے خلاف فیصلہ کیا تھا۔ لیکن یہ معترضین اس بات کو نہیں سمجھتے کہ اس کانفرنس میں متنازعہ فیہ امر یہ نہیں تھا کہ غیر اقوام کو انجیل کی بشارت دی جائے یا نہ بلکہ سوال یہ تھا کہ کن شرائط پر ان کو کلیسیا میں شامل کیا جائے؟ یہ اصول تو پہلے ہی قائم ہو گیا تھا کہ مسیح ابن اللہ یہود اور غیر یہود دونوں کو نجات دینے والے ہیں۔ لیکن حل طلب مسئلہ یہ تھا کہ کیا کلیسیا میں داخل ہونے سے پہلے غیر مختونوں کا ختنہ کرنا ضروری ہے یا کہ نہیں؟ بالفاظ دیگر کیا مسیحی کلیسیا کے گلے کا دروازہ یہودیت ہے جس میں سے اقوام عالم کا گذر کر مسیحیت میں داخل ہونا ہے؟

اگر یہ نہیں تو موسیٰ کی شریعت میں سے کس کس قانون اور شرع پر عمل کرنا ان لوگوں پر فرض ہے جو غیر اقوام سے مسیحی ہوں؟ ہم دیکھ چکے ہیں کہ خود منجیِ عالمین نے غیر اقوام کے درمیان انجیل کی بشارت کا حکم دیا تھا اور اعمال کی کتاب سے ظاہر ہے کہ اس کانفرنس کے انعقاد سے کئی سال قبل غیر یہود اور غیر مختونوں میں انجیل جلیل کے پیغام کی بشارت دی جا چکی تھی۔ لہذا یہ امر زیر بحث نہیں تھا۔ سیدنا مسیح نے اپنی زبان مبارک سے کلیسیا میں شمولیت کی شرائط نہیں بتلائی تھیں۔ لیکن خداوند نے یہ وعدہ کیا تھا کہ "روح القدس یعنی سچائی کا روح آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا" (یوحنا ۱۶: ۱۳)۔ یروشلیم کی کانفرنس میں اس سچائی کے روح نے رسولوں کی معرفت فیصلہ دیا (اعمال ۱۵: ۲۸)۔ کہ غیر مختونوں مسیحی موسوی

شریعت کے تابع نہیں ہیں۔ کتاب اعمال الرسل سے ظاہر ہے کہ مقدس پطرس غیر قوم کرنیلیس کے گھر اس واسطے نہیں جانا چاہتا تھا کیونکہ "اس کو غیر قوم والے سے صحبت رکھنی یا اس کے ہاں جانا ناجائز تھا" نہ کہ وہاں انجیل کی بشارت نہ کرے۔ مقدس پطرس پر یروشلیم میں الزام لگایا گیا تھا کہ "تو نا مختونوں کے پاس گیا اور ان کے ساتھ کھانا کھایا" نہ کہ کیوں "غیر قوموں نے بھی خدا کا کلام قبول کیا" (اعمال ۱۱: ۱ تا ۲)۔ اس کے برعکس یہودی مسیحیوں نے یہ سن کر خدا کی بڑائی کر کے کہا "بیشک خدا نے غیر قوموں کو بھی زندگی کے لئے توبہ کی توفیق دی ہے" (اعمال ۱۱:۱۸)۔

(۳)

مقدس پولُس کے تیز فہم نے مسیحی ہونے سے پہلے ہی کلمتہ اللہ کی تعلیم اور آپ کے رسولوں کی تعلیم اور طرزِ عمل سے یہ معلوم کر لیا تھا کہ مسیحیت عالم گیر ہے۔ اہلِ یہود نے اپنے معبود یہوواہ کے ساتھ وفاداری کا عہد باندھا ہوا تھا اور اسی وجہ سے وہ یہوواہ کی خاص اُمت کہلاتے تھے۔ لیکن مقدس پولُس نے دیکھا تھا کہ مسیحی یہوواہ کی بجائے ایک دوسرے شخص یسوع ناصری کے ساتھ وفاداری، ارادت (اعتقاد، آرزو) وعقیدت کے جذبات رکھتے ہیں اور یسوع ناصری بھی وہ جو اس کے خیال میں شرع کی رو سے کافر اور مجرم ثابت ہو کر مصلوب کر دیا گیا تھا۔ لہذا وہ ابتدا ہی سے بالفاظ مرحوم خواجہ کمال الدین

"ان کا جانی دشمن تھا ان کی ایذا رسانی میں اس نے کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا"

(ینابیع صفحہ ۱۲۴)۔

جس مسیحیت کے ساتھ پولُس رسول کا سابقہ پڑا تھا وہ محض یہودیت کی اصلاح نہ تھی۔ اگر وہ محض اصلاحی تحریک ہوتی تو پولُس رسول اس تحریک کا "جانی دشمن" نہ ہوتا بلکہ وہ اس کا زبردست حامی ہوتا۔ ابتدا ہی سے وہ اس نتیجہ پر پہنچ گیا تھا کہ یہودیت اور یسوع ناصری کے اصول ایک دوسرے کے نقیض (مخالف) ہیں اور اس نتیجہ کے ساتھ یہودی ربی سردار کاہن، فقیہ، فریسی غرض تمام علمائے امتِ یہود متفق تھے اور اسی سبب سے ان شقی دل علماء نے سید الشہدا خداوند مسیح کو مصلوب کروادیا تھا۔

مقدس پولُس "غیر قوموں کا رسول" کہلاتا ہے۔ لیکن جب ہم آپ کی یہودی تعلیم وتربیت اور قومی جذبات کی طرف نظر کرتے ہیں (گلتیوں ۱:۱۴ وغیرہ) تو ہم پر عیاں ہو جاتا ہے کہ یہود کے عوض غیر اقوام میں انجیل کی بشارت دینے کے لئے جانا آپ کے لئے کیسا مشکل ثابت ہوا ہو گا۔ اپنے لوگوں کو جو "وعدہ کے وارث تھے ترک کرنا" اور بے شرع نامختونوں کے پاس جو "نہ ابراہیم سے اور نہ اس کی نسل" سے تھے جا کر خدا کے فضل کی خوشخبری دینا آپ پر کتنا شاق (دشوار، مشکل) گذرا ہو گا۔ (اعمال ۱۳: ۴۴ تا ۴۷)۔ اس سے ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ آپ غیر قوموں کے رسول ہونے کی الہیٰ بلاہٹ کو (گلتیوں ۱:۱۶، اعمال ۹:۱۵) کس قدر محسوس کرتے تھے۔ صرف ایک یہودی ہی اس بات کا کماحقہ اندازہ کر سکتا ہے کہ جب آپ کو اپنی بلاہٹ کا احساس ہوا ہو گا تو یہ معاملہ آپ پر کتنا شاق گذرا ہو گا۔ آپ نے "پینے کی کیل" پر کتنی بار "لات" چلائی ہو گی۔ لیکن منجیِ عالمین کی روح نے مقدس پولُس کو بلا آخر "غیر اقوام کا رسول بنا کر چھوڑا" (گلتیوں ۱:۱ و ۱۲)۔

اگر ہم دورِ حاضرہ سے مثال لیں تو یہ ایسا ہی ہو گا جیسا فی زمانہ جرمنی کا ہٹلر اہل یہود کو پامال، برباد، قتل اور غارت کرنے کی بجائے ان کو اور تمام دنیا کو یہ تعلیم دے کہ جرمنی کے اصل باشندے اور اہل یہود سلطنت جرمنی میں مساوی حقوق رکھتے ہیں اور ان میں اور اصل جرمن میں ہر طرح کی درجہ بندی کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ اگر ہماری قوتِ متخیلہ (سوچنے کی قوت) اس بات کی متحمل ہو سکتی ہے کہ ہٹلر غارت گر ہونے کی بجائے اس اصول کا زبردست مبلغ اور عظیم الشان واعظ ہو جائے تو ہم کچھ کچھ سمجھ سکیں گے کہ غارت گر ساؤل پر یہ امر کس قدر شاق گذرا ہو گا کہ ایسی انجیل کی منادی کرے جو یہود اور غیر یہود میں کسی قسم کی تمیز روا نہیں رکھتی تھی۔

ہم کو یہ بات ہر گز فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ اس زمانہ میں یہود اور غیر یہود کے درمیان ایک ایسی خلیج حائل تھی جو نہایت وسیع تھی اور جس کو مسیحیت کے سوا کوئی اور شے عبور نہ کر سکی۔ حقارت صرف اہل یہود تک ہی محدود نہ تھی بلکہ غیر یہود اور یونانی بھی یہود کو نفرت اور کراہیت کی نگاہ سے دیکھتے تھے حتیٰ کہ ارسطو جیسا فلاسفر نوع انسانی کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے یونانی اور وحشی، اور کہتا ہے کہ

فطرت نے یونانیوں کو حکمران اور دوسروں کو محکوم ہونے کے لئے پیدا کیا ہے۔

(Politics, 253 b, 1263a)

اس کے برعکس مسیحیت کے مبلغ یہ تعلیم دیتے تھے کہ خدا ازل سے یہود و غیر یہود کو پیار کرتا ہے اور ہر قسم کی درجہ بندی قانون فطرت کے خلاف ہے۔ (افسیوں ۳:۴تا۶، کلیسیوں ۱:۲۶تا آخر وغیرہ)۔

ہوس نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے نوعِ انسان کو

اخوت کی زباں ہو جا محبت کا بیاں ہو جا

مقدس پولُس بار بار ذکر کرتا ہے کہ خدا کی نظر میں یہود اور غیر یہود میں کوئی تمیز نہیں اور یہود کو غیر یہود پر کوئی ترجیح حاصل نہیں (رومیوں ۱۰:۱۲، ۱۶:۲۵ وغیرہ) ابن اللہ نے اس دنیا میں آکر اس حقیقت کو مہر نیم روز کی طرح روشن کر دیا۔ پولُس رسول اس حقیقت پر اصرار کرتا ہے کہ مسیح میں یہود اور غیر یہود خدا کی بادشاہت میں مساوی طور پر شریک ہیں اور غیر اقوام کے مسیحیوں کو یاد دلاتا ہے کہ "تم جو جسم کی رو سے غیر قوم والے ہو اگلے زمانہ میں مسیح سے جدا اور اسرائیل کی سلطنت سے خارج اور وعدہ کے عہدوں سے ناواقف اور ناامید اور دنیا میں سے خدا سے دور تھے۔ اب مسیح کے سبب سے نزدیک ہو گئے ہو جس نے یہود اور غیر قوم دونوں کو ایک کر لیا اور جدائی کی دیوار کو جو بیچ میں حائل تھی ڈھا دیا" (افسیوں ۲:۱۱)۔ یہ رسول بار بار اپنے خطوط میں مسیحیوں کو جتلاتا ہے کہ وہ سب خواہ یہود ہوں خواہ غیر یہود سیدنا مسیح میں وعدہ کے شریک اور آپس میں ہم میراث ہیں (۱۔ کرنتھیوں ۱۲:۱۳، افسیوں ۳:۴تا۶، کلیسیوں ۱:۲۶، رومیوں ۱۰:۱۲، کلیسیوں ۳:۱۱ وغیرہ)۔ گلتیہ کے مسیحیوں کی طرف جو خط آپ نے لکھا وہ اسی جذبہ کے جوش سے معمور ہے (گلتیوں ۳:۲۸ وغیرہ)۔ روم کے مسیحیوں کی طرف جو خط آپ نے لکھا اس میں آپ نے اس قضیہ (جھگڑا، تکرار) کو منطقیانہ استدلال (ثبوت، دلیل) سے ثابت کیا ہے کہ روحانی امور میں یعنی گناہ کی واضح اور عالمگیر حقیقت اور نجات کی ضرورت میں یہودیوں، یونانیوں اور دیگر اقوام کے افراد میں کسی طرح کا فرق نہیں۔ خداوند یسوع مسیح کل بنی نوع انسان کا منجی ہے (افسیوں ۲:۱۱تا۱۴)۔

رسولوں کی تحریرات اور مسیحیت کی عالمگیری

انجیل جلیل ستائیس (۲۷) کتُب اور مکتوبات پر مشتمل ہے اور یہ تمام کتابیں خداوند کے مختلف رسولوں نے اسی مقصد کے لئے لکھیں کہ یہود اور غیر یہود دونوں کو نجات کا علم ہو جائے۔ انجیل نویسوں نے اپنی اناجیل اس بات کو ظاہر کرنے کے لئے تحریر کیں کہ منجیِ عالمین کل اقوام کا نجات دہندہ ہے اور اقوام عالم کو معلوم ہو جائے کہ "مسیح کے نام سے غیر قومیں امید رکھیں گی" (متی ۱۲:۲۱) تاکہ "سب قوموں میں انجیل کی منادی کی جائے تاکہ ان کے لئے گواہی ہو" (مرقس ۱۰:۹ تا ۱۰)۔ مزید براں "جن باتوں کی غیر یہود اقوام نے تعلیم پائی ہے ان کی پختگی ان کو معلوم ہو جائے" (لوقا ۱: ۴) تاکہ "تم ایمان لاؤ کہ یسوع ہی خدا کا بیٹا مسیح ہے اور ایمان لا کر اس کے نام سے زندگی پاؤ" (یوحنا ۲۰:۳۱)۔ رسولوں کے اعمال میں ان تبلیغی مساعی کا مفصل ذکر ہے جو خداوند مسیح کی موت کے بعد ہی یہود اور غیر یہود دونوں میں کی گئیں۔ پولُس رسول کے مکتوبات ایک مبلغ مسیحیت کے خطوط ہیں جو آپ نے وقتاً فوقتاً تبلیغی ضروریات کے ماتحت اپنے نومریدوں کو لکھے تھے۔ ان سب کا اول اور آخری مقصد اور ابتدا اور انتہا اور علتِ غائی (حاصل، سبب) الف سے لے کری تک صرف یہی ہے کہ "یہ بات سچ ہے اور ہر طرح سے قبول کرنے کے لائق ہے کہ یسوع مسیح گنہگاروں کو نجات دینے کے لئے دنیا میں آیا" (۱۔تیمتھیس ۱:۱۵)۔ مقدس یوحنا اپنے مخاطبوں کو کہتا ہے کہ ہم "اس زندگی کے کلام کی بابت جسے ہم نے دیکھا تم کو خبر دیتے ہیں تاکہ تم بھی ہمارے شریک ہو اور ہماری شراکت باپ کے ساتھ اور اس کے بیٹے یسوع مسیح کے ساتھ ہے اور یہ باتیں ہم اس لئے لکھتے ہیں کہ ہماری خوشی پوری ہو جائے" (۱۔یوحنا پہلا باب ۱ تا ۴ آیت)۔ انجیل جلیل کی کتُب کے مصنفوں کے الفاظ اس زندگی کے تجربہ کو بیان کرنے سے قاصر رہتے ہیں اور وہ ہر ممکن طور پر اس تجربہ کو ظاہر کرنے کے لئے الفاظ اور محاورات وضع کرتے ہیں تاکہ کل دنیا پر یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح منکشف ہو جائے کہ مسیح کل دنیا کا منجی ہے اور جو ابن اللہ کے قدموں میں آجاتے ہیں وہ "از سر نو پیدا" ہو جاتے ہیں۔ وہ "تاریکی سے نکل کر نور میں داخل ہو جاتے ہیں۔ وہ نئے مخلوق ہیں اور نجات یافتگان کے گروہ میں شامل" ہو گئے ہیں۔ مکاشفات کے مصنف پر پولُس رسول اور "پولُسی عقائد" کا رتی بھر اثر ثابت نہیں لیکن وہ نجات یافتگان کی رویا دیکھتے وقت نہ صرف اہلِ یہود کو ہی نجات یافتہ لوگوں کی صف میں دیکھتا ہے، بلکہ دنیا کے ممالک کی اقوام کو بھی وہاں دیکھتا ہے اور لکھتا ہے۔ "ان باتوں کے بعد جو میں نے نگاہ کی تو کیا دیکھتا ہوں کہ ہر ایک قوم اور قبیلے اور اُمت اور اہل زبان کی ایک ایسی بھیڑ جس کو کوئی شمار نہیں کر سکتا برّے (سیدنا مسیح) کے آگے کھڑی ہے اور بڑی آواز سے کہتی ہے کہ نجات ہمارے خدا کی طرف سے ہے (مکاشفہ ۷:۹)۔

بخوفِ طوالت ہم انجیل جلیل کی کتُب کے اقتباسات کرنے سے پرہیز کرتے ہیں کیونکہ اس موضوع پر اس کثرت سے آیات ہیں کہ اگر ہم ان کو نقل کرنے لگیں تو تمام انجیل کی انجیل ہم کو نقل کرنی پڑے گی۔

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاج تنگی داماں بھی ہے

جس شخص نے انجیل کی کتُب کی سطحی مطالعہ بھی کیا ہے اس کے لئے یہ ایک واضح اور روشن حقیقت ہے کہ انجیل جلیل کی ہر کتاب کا ہر صفحہ اس بات کا شاہد ہے کہ سیدنا مسیح کل دنیا کی اقوام کے نجات دہندہ ہیں۔ مسیحیت کی تبلیغ کے متعلق جو تعلیم اور احکام ان کتب میں ہیں وہ صرف چند منتشر

آیات پر ہی محدود نہیں ہیں، بلکہ عہد جدید کے رگ وریشہ میں موجود ہیں۔ اس میں کوئی صحیفہ ایسا نہیں جس میں تبلیغی کام اور کوشش اور تبلیغی احکام ومساعی کا ذکر نہ ہو۔ پس انجیل جلیل کی تمام کتابیں اور صحیفے بیک آواز ہم کو بتلاتے ہیں کہ سیدنا مسیح کے حواری اور رسول جو ہر وقت آپ کے ساتھ رہتے تھے اورآپ کے خیالات جذبات احکام وہدایات سے کماحقہ واقف تھے یہی مانتے اور تعلیم دیتے چلے آئے کہ سیدنا مسیح دنیا کے تمام گنہگاروں کا نجات دینے والا ہے (۱کرنتھیوں ۱۵باب)۔

فصل پنجم

مسیحی کلیسیا کا طرزِ عمل

گذشتہ فصل میں ہم نے دیکھا ہے کہ انجیل جلیل کی کتب جو مسیحی کلیسیا میں ابتدا ہی سے مروج تھیں تبلیغ کے فرض کو بار بار ہر مسیحی کے کندھوں پر رکھتی ہیں۔ یہ کتُب اس بات کو ثابت کرتی ہیں کہ ابتدا ہی سے مسیحیت نے اور مسیحی کلیسیا نے تسلیم کیا ہے کہ سیدنا مسیح کی نجات کا پیغام دنیا کے ہر فرد بشر کے لئے ہے اور کلیسیا کا یہ فرض ہے کہ اس پیغام کو اکنافِ (کنف کی جمع، اطراف، سمتیں) عالم تک پہنچائے۔

یہ امر نہایت معنی خیز ہے کہ بفرض محال اگر ابتدائی کلیسیا میں کوئی ایسی کتابیں یا رسالے تھے جن میں تبلیغی احکام اور تبلیغی فرض کا ذکر نہیں تھا تو ایسی کتابوں کی کلیسیا نے پرواتک نہ کی اور وہ گور غفلت میں ہی گل سڑ گئیں اور کلیسیا ایسی کتابوں کی پروا کرتی بھی کیسے جب وہ اس کے منجی کے اقوال، ہدایات، احکام، لائحہ عمل اور طرز عمل کے عین نقیض (مخالف) تھیں اور اس کے رسولوں کے احکام، اقوال، تحریرات اور طریقِ عمل کی بھی مخالف تھیں۔ اگر بفرضِ محال ایسی کتُب کبھی معرضِ وجود میں آئیں تو کلیسیائے جامع نے ایسی کتُب کو متفقہ آواز سے رد کر دیا اوران کو عہدِ جدید کی کتُب کے مجموعہ میں شرفِ شمولیت نہ ملا۔ عہدِ جدید کا وجود اس بات کا زندہ گواہ ہے کہ ابتدائی زمانہ ہی سے کُل کلیسیائے جامع یہ مانتی چلی آئی ہے کہ سیدنا مسیح کُل عالم کا منجی ہے اور مسیحیت ایک عالمگیر مذہب ہے۔ جس کے اصول ہی ایسے ہیں جو عالمگیر ہیں۔ خدا کی محبت اور انسانی حقوق مسیحیت کی عمارت کے کونے کے پتھر ہیں۔ انجیل کے معنی ہی خوشخبری ہے جو ہر شخص کے لئے ہے۔ اس کی نجات کے دائرہ سے کوئی ملک قوم، قبیلہ، جماعت یا فرد خارج نہیں ہے۔ بلکہ وہ کل بنی نوع انسان پر حاوی ہے۔ کلیسیائے جامع اور عہدِ جدید کی تعلیم کے مطابق ''غیر قوم'' ہونا کسی کی قومیت پر منحصر نہیں کیونکہ یہ قومیت کا معاملہ نہیں بلکہ روحانی اور اخلاقی معاملہ ہے۔ ''غیر قوم'' صرف وہی ہے جو دیدہ دانستہ جان بوجھ کر اپنے آپ کو خدائے قدوس کی محبتِ بیکراں سے علیحدہ رکھتا ہے۔

(۲)

مسیحیت کی عالمگیری کا ثبوت نہ صرف منجیِ عالمین کے حواریوں نے ہی اپنی تعلیم اور طرزِ زندگی سے دیا بلکہ ابتدا سے لے کر دورِ حاضرہ تک ہر ملک اور قوم کی کلیسیاؤں نے غیر مسیحیوں کے پاس مبلغین بھیجے اور اپنے طرزِ عمل سے ثابت کر دیا کہ وہ اپنے نجات دہندہ کے لائحہ عمل اور کلماتِ طیبات پر عمل پیرا ہے۔ مسیحی کلیسیا میں بیسوں (۲۰) تفرقے اور بدعتیں پیدا ہوئیں، لیکن تبلیغ دین اور انجیل جلیل کی اشاعت کے فرض کو سب

کلیسیاؤں نے بیک آواز تسلیم کیا۔ یہ امر کسی زمانہ میں بھی کلیسیا کی تواریخ میں متنازعہ فیہ (وہ چیز جس کی بابت جھگڑا ہو) نہ ہوا۔ مشرق اور مغرب کی کلیسیائیں انجیل جلیل کی اشاعت کو موجبِ سعادت ہی خیال کرتی رہیں۔ چنانچہ ۱۵۰ء کے قریب جسٹن شہید لکھتا ہے کہ

> ”ہم معقول وجوہ کی بنا پر مسیح یسوع کی پرستش کرتے ہیں کیونکہ وہ حقیقی خدا کا بیٹا ہے۔ وہ اس کا اکلوتا بیٹا اور کلمتہ اللہ ہے۔ وہ کلام کی قوت سے خدا باپ کی مرضی کے مطابق ایک کنواری سے پیدا ہوا۔ وہ دانش کا کلام ہے جو خود خدا ہے وہ خدا کا کلمہ اور دانش اور طاقت اور جلال ہے“۔

کوئی قوم اور ملت ایسی نہیں خواہ یونانی ہو یا وحشی یا کسی نسل کی ہو خواہ اس کا نام اور طریق رہائش کچھ ہی ہو۔ خواہ وہ غیر مہذب ہو یا زراعت سے ناواقف ہو۔ خواہ وہ آباد بستیوں میں رہتی ہو یا خیمہ بدوش ہو۔ غرضیکہ کوئی قوم اور کوئی قبیلہ ایسا نہیں رہا جس میں مسیح مصلوب کے نام سے تمام مخلوقات کے خالق اور باپ کے حضور دعا نہیں کی جاتی ”یہی مصنف ہم کو بتلاتا ہے کہ ابتدائی کلیسیا میں تبلیغ کا کام صرف رسول ہی نہیں کرتے تھے، بلکہ تمام کی تمام مسیحی کلیسیا مبلغین کی ایک عظیم الشان جماعت تھی۔ ابتدائی مسیحیت کو پھیلانے والے وہ لوگ تھے جن کا پیشہ تبلیغ کرنا نہ تھا بلکہ وہ اپنے مختلف پیشوں کے ذریعہ روٹی کماتے تھے، لیکن چونکہ وہ رسولی جوش سے بھرے ہوئے تھے لہذا مسیحیت کے عظیم الشان مبلغ تھے۔ ان مبلغین کی مساعی کی وجہ سے کلیسیا کی عظیم الشان برادری اس قدر وسیع ہوگئی کہ دوسری صدی کا ایک مصنف لکھتا ہے کہ

> ”مسیحیوں اور دوسرے انسانوں میں زبان یا رسوم یا ملک کا فرق نہیں وہ جداگانہ شہروں میں نہیں بستے۔ نہ تو ان کی کوئی خاص زبان ہے اور نہ ان کے معاشرتی تعلقات علیحٰدہ ہیں۔ وہ جس شہر یا ملک میں پیدا ہوتے ہیں وہیں بودوباش رکھتے ہیں۔ ان کی خوارک، لباس اور طرز رہائش دوسرے انسانوں کی طرح ہے۔ تاہم وہ کلیسیائی برادری اور مسیحی اخوت کو عجیب اور نرالے طور پر اپنی زندگیوں میں ظاہر کرتے ہیں۔ وہ تمام باتوں میں اپنے شہری حقوق کو کام میں لاتے ہیں۔ لیکن اس طور پر زندگی بسر کرتے ہیں کہ اس دنیا کے ہو کر نہیں رہتے۔ وہ اپنے ملک میں پردیسیوں کی مانند بستے ہیں اور پردیس ملک کو اپنا ملک تصور کرتے ہیں۔ وہ اپنی زندگی کو اس ملک میں بسر کرتے ہیں لیکن ان کا حقیقی وطن آسمان ہے۔ یہود ان پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ یونانی ان کو ایذائیں پہنچاتے ہیں لیکن ان کے دشمن اپنی دشمنی کی وجہ بیان کرنے سے قاصر ہیں جس طرح روح بدن کے ہر حصے میں موجود ہے اسی طرح مسیحی بھی دنیا کے ہر شہر میں موجود ہیں لیکن جس طرح روح بدن کا حصہ نہیں ہے اسی طرح مسیحی دنیا میں رہتے ہیں لیکن دنیا کے ہو کر نہیں رہتے“[1]

آئرنیوس (Irenaeus) ۱۳۳ تا ۲۰۳ء نہایت صاف اور واضح الفاظ میں مسیح کی عالمگیری اور لاثانی ہستی کی نسبت لکھتا ہے۔

[1] Epistle to Diognetus, Chaps.5-6

"ایک خدا ہے جو قادر مطلق ہے اور ایک یسوع مسیح جو خدا کا اکلوتا بیٹا ہے جس کے ذریعہ تمام چیزیں بنیں اور جو تمام چیزوں کا بنانے والا ہے۔ وہ حقیقی نور ہے جو ہر ایک آدمی کو روشن کرتا ہے۔ اگر کوئی ان حق باتوں کو نہیں مانتا تو وہ منجی کی تحقیر کرتا ہے اور اپنی نجات کا آپ ہی دشمن ہے"۔

ہم ابتدائی مسیحیوں کی تصنیفات اور آبائے کلیسیا کی تحریرات سے بیسوں (۲۰) ایسے اقتباسات پیش کر سکتے ہیں جو اس امر کے شاہد ہیں کہ ابتدا ہی سے کلیسیا نے سیدنا مسیح کی عالمگیریت کو مانا اور آپ کو خدا کا ابن وحید اور منجی عالمین جانا اور اس بات پر پختہ ایمان رکھا کہ جو مکاشفہ خدا نے کلمتہ اللہ کے ذریعہ بنی نوع انسان کو عطا فرمایا ہے۔ وہ قطعی ہے اور تمام عالم کے لئے ہے اور کہ اس مکاشفہ کے اصول ابدی اور لا تبدیل ہیں۔ جو زمان و مکان کی قیود سے آزاد ہونے کی وجہ سے ہر قوم اور ہر ملت کو صراطِ مستقیم پر چلاتے ہیں۔

(۳)

کلیسیا ان باتوں کو محض زبانی جمع خرچ کے طور پر تسلیم نہیں کرتی تھی۔ تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ

"مسیحیت کے بیشمار اور کامیاب مبلغ صرف وہ نہ تھے جو مسیحیت کے پرچارک (مبلغ) اور معلم تھے، بلکہ مسیحی جماعت کے افراد اپنے ایمان کی زبردست طاقت کی وجہ سے اس کے نہایت کامیاب اور شاندار مبلغ تھے۔ اس مذہب کا یہ خاصہ تھا کہ ہر شخص جو مسیح کو اپنا نجات دہندہ مانتا تھا دوسرے لوگوں میں اس کا پرچار کرتا تھا۔ ہر مسیحی کو حکم تھا کہ وہ اپنی روشنی اس طرح چمکائے کہ بُت پرست اس روشنی کو دیکھ کر قبول کریں" [1]

اس جرمن عالم کے الفاظ درحقیقت تمام ممالک کی کلیسیاؤں پر چسپاں ہو سکتے ہیں۔ ہر زمانہ میں گم نام مسیحیوں نے مختلف ممالک میں مسیحیت کی اشاعت کی، تاریخ ان کے ناموں سے واقف نہیں، لیکن ان کے کام دفتر حیات میں لکھے ہیں۔ ان گم نام مبلغین نے زبردست کلیسیاؤں کو قائم کیا۔ مثال کے طور پر ہم نہیں جانتے کہ شامی کلیسیا کی بنیاد کس نے رکھی لیکن یہ ہم جانتے ہیں کہ اس کلیسیا کے مبلغین دُور و دراز کے ممالک مثلاً جنوبی ہندوستان اور چین تک پہنچ گئے تھے۔ ہم یہ نہیں جانتے کہ سکندریہ میں کس نے مسیحیت کی اشاعت کی لیکن یہ ہم جانتے ہیں کہ یہ کلیسیا علم و فضل کے لحاظ سے یگانہ (عزیز، رشتہ دار) روزگار تھی۔ ہم نہیں جانتے کہ روم میں کس نے مسیحیت کی بنیاد ڈالی لیکن یہ ہم جانتے ہیں کہ رومی کلیسیا ابتدا ہی سے کلیسیائے جامع کی زبردست شاخ رہی ہے۔ ہر مسیحی مسیحیت کی اشاعت کو اپنا فرض اولین خیال کیا کرتا تھا۔ چنانچہ ۱۹۷ء میں ٹرٹولین لکھتا ہے کہ

"ہم بہ مقابلہ دیگر مذاہبِ باطلہ کے ابھی کل کے بچے ہیں لیکن ہم نے شہروں، جزیروں، خیموں اور بازاروں کو معمور کر رکھا ہے۔ ہماری کوششوں کی وجہ سے اب صرف خالی مندر ہی تمہارے پاس رہ گئے ہیں"۔

[1] Harnack, Expansion of Christianity

غرضیکہ دوسری صدی کے آخر تک مشرقی کلیسیا کے نامور اور گمنام مبلغین مغرب کی انتہا تک ہر صوبہ میں گئے۔ انہوں نے اپنی جانوں کو ہتھیلی پر رکھا ان سرفروش صلیب کے جان نثاروں نے سفر کی تکلیفوں، زمانہ کی صعوبتوں، بادشاہوں کی ایذا رسانیوں کی پرواتک نہ کی اورآج مغربی ممالک کی کلیسیاؤں کاوجود مشرقی کلیسیاؤں کی انہی مساعی کا نتیجہ ہے۔

بے خطر کُود پڑا آتش ِ نمرود میں عشق
عقل تھی محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

اسی طرح دورِ حاضرہ میں مشرقی ممالک کی کلیسیاؤں کاوجود مغربی کلیسیاؤں کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ راسخ الاعتقاد کلیسیاؤں نے اپنے مبلغین کو دُوردراز کے ممالک میں بھیجا جو کوہ ودشت وبیابان اور سنگلاخ پہاڑوں میں سے گُزر کر دشوار گُزار راستوں کو طے کرکے دنیا کے ہر ملک میں پہنچے اورانہوں نے ہر قوم کو کلمتہ اللہ کی تعلیم اور نجات کے پیغام کے نور سے منور کر دیا۔

ع کہ خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

(۴)

بدعتی کلیسیائیں بھی جیسا ہم ذکر کرچکے ہیں مسیحیت کی اشاعت میں سرگرم رہیں۔ مثال کے طور پر ہم یہاں صرف ایک بدعتی کلیسیا یعنی نسطوری کلیسیا کا ذکر کرتے ہیں جس کے زیر اثر رسول عربی نے روحانی تعلیم اور تربیت پائی تھی۔ مورخ نیل ہم کو بتلاتا ہے کہ

> ”نسطوری مسیحیوں نے اپنے خیمے خانہ بدوش تاتاریوں کے خیموں میں جانصب کئے۔ تب کالاماان کے منہ کی باتوں سے ہراساں تھا۔ پنجاب کے چاولوں کے کھیتوں میں وہ انجیل کی منادی کرتے تھے۔ بحر آرال کے مچھلی پکڑنے والے ان سے تعلیم پاتے تھے۔ منگولیا کے لق دوق (صحرا، اصل ترکی) بیابان میں سے وہ اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر گذر گئے۔ مشہور سنگن فو کے کتبہ جات اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ انہوں نے مسیحیت کے لئے چین کو فتح کر لیا تھا۔ ہندوستان کے ملیالی راجے ان کے دینی اختیار کی عزت کرتے تھے۔ گیارھویں صدی میں نسطوری بطریق کا اختیار اس قدر وسیع تھا کہ اس کے ماتحت پچیس صد راسقف تھے جان کا اختیار چین سے لے کر دجلہ تک اور جھیل بیکال سے لے کر راس کماری تھا“۔

(۵)

اگرچہ دورِ حاضرہ میں مسیحیت بیسوں (۲۰) فرقوں پر مشتمل ہے لیکن ان فرقوں میں سے ایک فرقہ بھی آپ کو ایسا نہ ملے گا جو یہ تسلیم نہ کرتا ہو کہ اس کی ہستی کا واحد مقصد اور علت غائی یہی ہے کہ دنیا کو اپنے منجی کے قدموں میں لائے۔ آج دنیا کا کوئی ملک اور کوئی قوم ایسی نہیں رہی جس میں مسیحی کلیسیا تبلیغ کے کام کو سرانجام نہ دیتی ہو۔ فی زمانہ مسیحی کلیسیا نے بائبل شریف کا ترجمہ ایک ہزار زبانوں میں کرکے صلیب کے لاکھوں علم

برداروں کو دنیا کے ہر ملک صوبہ شہر بلکہ گاؤں گاؤں میں بھیجا ہے تا کہ دنیا کے تمام ممالک اور نوع انسانی کی کل اقوام کو نجات کا علم ہو جائے اور اس مبارک مقصد کی خاطر کروڑہا بلکہ ارب ہا روپیہ ہر سال نثار کر دیتی ہے تا کہ وہ کسی نہ کسی طرح اپنے تبلیغ کے فرض کو پورا کرے اور ہر فرد بشر کو منجیِ کونین کی جاں فزا (دل خوش کرنے والی) نجات کا مژدہ مل جائے۔

فصل ششم

قرُآن اور مسیحیت کی عالمگیری

سطور بالا میں ہم نے اہلِ اسلام اور دیگر غیر مسیحیوں کو مخاطب کر کے ثابت کر دیا ہے کہ کلمتہ اللہ کی تعلیم عالمگیر ہے اور آپ منجیِ عالمین اور رحمتہ للعالمین ہیں۔ اب ہم خاص اہلِ اسلام سے مخاطب ہو کر انشاء اللہ قرآن سے ثابت کریں گے کہ خدا نے خاص قوم یہود کو چن لیا تھا تا کہ اس کے ذریعہ دنیا کو خدا کا علم حاصل ہو اور مسیحی کتُب مقدسہ تمام جہان کی ہدایت کے لئے ہیں اور مسیحیت کا پیغام اہل یہود تک ہی محدود نہیں بلکہ کل بُنی نوع انسان کے لئے ہے۔

ان امور کو ہم نے مسیحی کتُب مقدسہ سے ثابت کیا ہے اور چونکہ قرآن مسیحی کتُب مقدسہ کا مصدق ہونے کا دعویٰ کرتا ہے لہذا وہ ہمارے مذکورہ بالا نتائج کی بھی تصدیق کرتا ہے۔

(۱)

ہم نے فصل دوم وسوم میں اس امر کو منقولی اور معقولی دلائل سے واضح کیا ہے کہ خدا نے قوم یہود کو چن لیا تھا تا کہ وہ تمام دنیا پر خدا کے علم اور توحید کو پھیلائے۔ اس حقیقت کو قرآن ان الفاظ میں بیان کرتا ہے "اور بالتحقیق ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور حکم اور نبوت عطا کی۔ اور ان کو تمام عالم پر فوقیت دی" (جاشیہ آیت ۱۵)۔ "اے بنی اسرائیل میرے اس فضل کو یاد کرو جو میں نے تم پر کیا اور یہ کہ سارے جہان کے لوگوں پر میں نے تم کو فضیلت بخشی" (بقر آیت ۴۴)۔ ہم نے آل ابراہیم کو کتاب دی اور علم بخشا" (نسا آیت ۵۲)۔ "بالتحقیق ہم نے نوح اور ابراہیم کو بھیجا اور دونوں کی اولاد میں پیغمبری رکھی" (حدید آیت ۲۶)۔ "ہم نے ابراہیم کو اسحاق اور یعقوب دیا اور اس کی اولاد میں نبوت اور کتاب کو رکھا" (عنکبوت آیت ۲۷)۔ کیا کوئی شخص ان الفاظ سے زیادہ واضح الفاظ میں ہمارے ان قضایا (قضیہ کی جمع، فقرے جملے، احکام، جھگڑے فساد) کی تصدیق کر سکتا ہے کہ بنی اسرائیل کو خدا نے تمام اقوام پر فوقیت بخشی اور ان میں اپنا علم ودیعت فرمایا۔ ان کی اولاد کو رسالت، نبوت اور کتاب عطا فرمائی تا کہ ان کے ذریعہ اقوام عالم خدا کی معرفت اور علم کو حاصل کریں؟

(۲)

ہم نے اس رسالہ کی فصل دوم میں لکھا تھا کہ یہودی انبیا کا مطمع نظر یہ تھا کہ ان کی کتُب مقدسہ تمام غیر یہود کے لئے "نور" ہیں اور ان کے وسیلے خداوند کی "نجات دنیا کے کناروں تک" پہنچے گی (یسعیاہ ۴۹:۶) اور کہ "اسرائیل قوموں کے درمیان برکت کا باعث ٹھہرے گا" (یسعیاہ ۱۹: ۲۳ تا ۲۵)۔ قرآن اس حقیقت کا اعتراف مختلف مقامات میں نہایت صاف اور واضح الفاظ میں کرتا ہے۔ ہم اختصار کو مدِ نظر رکھ کر صرف چند مقامات کا حوالہ دیتے ہیں "بالتحقیق ہم نے موسیٰ کو ہدایت دی اور وراثت دی۔ بنی اسرائیل کو کتاب دی جو سمجھ والوں کو راہ دکھلانے والی اور یاد دلانے والی ہے" (مومن آیت ۵۵)۔ "پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب دی جو احسن بات پر کامل ہے اور ہر شے کی تفصیل اور ہدایت اور رحمت ہے" (انعام آیت ۱۵۵)۔ "بالتحقیق ہم نے اتاری تورات جس میں ہدایت اور نور ہے"۔

پس قرآن منجی عالمین کے اس قول کا مصدق ہے کہ "نجات یہودیوں میں سے ہے" (یوحنا ۴:۲۲)۔ قرآن نہایت واضح اور غیر مبہم الفاظ میں اپنے پیروؤں کو بتلاتا ہے کہ خدا نے آلِ ابراہیم میں نبوت اور کتاب رکھی جو ہدایت ہے، رحمت ہے، نور ہے۔ وہ دنیا جہان کو راہ دکھلانے والی ہے تاکہ اس کے ذریعہ ساری مخلوق خدا کا علم حاصل کرے اور اس کی نجات دنیا کے کناروں تک پہنچ جائے۔ ناظرین نے یہ نوٹ کیا ہو گا کہ قرآن مجید یہود کی کتُب مقدسہ کے لئے وہی الفاظ استعمال کرتا ہے جو صحائف انبیاء میں وارد ہوئے ہیں یعنی "نور" اور "ہدایت"۔

(۳)

اب ہم قرآن مجید سے یہ ثابت کرینگے کہ کتاب مقدس تمام دنیا کے لئے نور اور ہدایت ہے اور کہ وہ نہ صرف اہل یہود کے لئے ہی نور اور ہدایت ہے بلکہ تمام دنیا کی اقوام کے لئے نور ہے اور کہ بائبل مقدس کے احکام کلُ بنی نوع انسان پر حاوی ہے۔ "وہ کتاب جو موسیٰ لایا بنی نوع انسان کے لئے نور اور ہدایت ہے" (انعام آیت ۹۶)۔ "ہم نے موسیٰ کو کتاب دی جو بنی نوع انسان کے لئے بصیرت ہدایت اور رحمت ہے شاید کہ وہ لوگ نصیحت قبول کریں" (قصص آیت ۴۳)۔ "بالتحقیق ہم نے موسیٰ اور ہارون کو فرمان دیا جو خدا پرستوں کے واسطے نور اور نصیحت ہے" (انبیاء آیت ۴۹)۔ اور مبادا مسلمان یہ خیال کریں کہ یہ کتُب سماوی ان کے واسطے نہیں قرآن کہتا ہے "اے ایمان والو۔ ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اس نے رسول پر اتاری اور اس کتاب پر جو اس سے پہلے اتاری اور جو کوئی منکر ہوا اللہ سے اس کے فرشتوں سے، اور اس کی کتابوں سے اور اس کے رسولوں سے وہ دور کی گمراہی میں جا پڑا" (نسا آیت ۳۵)۔ "اے پیغمبر، ایمان دار وہ ہیں جو اس پر یقین کرتے ہیں جو تجھ پر اترا اور جو تجھ سے پہلے اترا"۔ مسیحی کتب مقدسہ نہ صرف اہل اسلام کے لئے ہی مستند ہیں اور ان پر ہی ان کتابوں کے احکام کی بجا آوری لازم ہے بلکہ خود رسول عربی ان کتب مقدسہ کے احکام پر چلنا موجب سعادت خیال فرماتے تھے۔ "اے پیغمبر تو کہہ (اے منکرو) اگر تم سچے ہو تو اللہ کی طرف سے کوئی ایسی کتاب لاؤ جو ہدایت میں ان دونوں (قرآن و تورات) سے بڑھ کر ہو تو میں اسی پر چلنے لگوں گا" (قصص آیت ۴۹)۔ بلکہ قرآن میں اللہ نے آنحضرت کو حکم دیا ہے کہ "اگر تو اس کی طرف سے جو ہم نے تیری طرف اتاری شک میں ہے تو ان سے پوچھ جو تجھ سے پہلے والی کتاب (بائبل) پڑھتے ہیں۔ بالتحقیق تیرے پاس رب سے حق آیا ہے پس تو شک کرنے والوں میں سے مت ہو" (یونس آیت ۹۴)۔ کیا اس سے زیادہ زبردست شہادت ممکن ہو سکتی ہے؟ ان چند

اقتباسات سے ظاہر ہے کہ مسیحی کتُب مقدسہ نہ صرف اہل یہود کے لئے بلکہ کلُ بنی نوع انسان کے لئے۔ دنیا جہان کے پرہیز گاروں کے لئے، اہل اسلام کے لئے اور پیغمبر اسلام کے لئے ہدایت، رحمت اور نصیحت ہیں جن کے احکام کی بجا آوری ہر مومن مسلمان پر فرض ہے۔

ہمارے بعض مسلم برادران اپنے ہم مذہبوں کو قرآن کی مخالفت میں کتاب مقدس کے مطالعہ سے یہ کہہ کر روکتے ہیں کہ بائبل شریف محرف (تحریف کی گئی، ٹیڑھا) ہوگئی ہے۔ لیکن یہ دعویٰ سراسر باطل اور بے بنیاد ہے۔ ہم نے اپنی کتاب "صحتِ کتبِ مقدسہ" میں یہ ثابت کر دیا ہے کہ کتاب مقدس کی صحت لاجواب ہے اور اس ثبوت میں ہم نے تاریخی دلائل دے ہیں۔ ہم کو امید ہے کہ اس کتاب کو غور سے پڑھیں گے اور دیکھیں گے کہ کتاب مقدس کی صحت کے بارے میں تاریخ قرآن کی مصدق ہے۔

(۴)

اب ہم قرآن مجید سے ثابت کریں گے کہ سیدنا مسیح کا پیغام اہل یہود تک محدود نہ تھا بلکہ کل دنیا کی اقوام کے لئے تھا۔ سورہ مومنین میں وارد ہے "بالتحقیق ہم نے موسیٰ کو کتاب اس غرض سے دی کہ لوگ اس سے ہدایت پائیں اور ہم نے مریم کے بیٹے اور اس کی ماں کو (اپنی قدرت کی) نشانی بنایا" (سورہ مومنین آیت ۵۱ ترجمہ نذیر احمد)۔ یہ ظاہر ہے کہ خدا کی نشانیاں صرف اہل یہود تک ہی محدود نہیں ہو سکتیں کیونکہ وہ تمام کائنات کے لئے ہیں۔ پس اس آیہ شریفہ کا یہ مطلب ہے کہ ابن مریم آیت اللہ ہیں اور کل جہان کے لئے خدا کی قدرت کی نشانی تمام زمانوں کے لئے ہیں تاکہ آپ کے ذریعہ خدا کی قدرت کا ظہور بنی نوع انسان پر ہو۔ تب ہی قرآن کہتا ہے کہ "جو لوگ اللہ کی نشانیوں سے منکر ہوئے ان کے واسطے سخت عذاب ہے" (عمران آیت ۴)۔

منجیِ جہاں کے عالمگیر مشن کے متعلق قرآن مجید کہتا ہے کہ "اے پیغمبر خدا نے تم پر یہ کتاب برحق اتاری جو ان آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں اور اسی نے اس سے پیشتر بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے تورات اور انجیل کو اتارا" (عمران آیت ۲) "ہم نے عیسیٰ کو انجیل دی جس میں ہدایت اور روشنی ہے جو تصدیق کرتی ہے تورات کی اور پرہیز گاروں کے لئے ہدایت اور نصیحت ہے" (مائدہ آیت ۴۵)۔ یہاں واضح الفاظ میں صراحت کے ساتھ اس حقیقت کا اقبال کیا گیا ہے کہ انجیل جلیل کا پیغام نہ صرف اہل یہود کے لئے ہی تھا بلکہ کل اقوام عالم کے پرہیز گاروں کے لئے ہے۔ خدا نے اس کو نہ صرف پرہیز گاروں کے لئے نازل کیا تھا بلکہ بنی آدم کے لئے نازل کیا تھا۔ لہذا کل بنی نوع انسان پر فرض ہے کہ اس پر ایمان رکھیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مسلمانوں کو ہدایت کرتا ہے کہ "تم کہو کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور جو نازل ہوا ہم پر اور ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اسرائیلی فرقوں پر اور جو ملا عیسیٰ کو اور موسیٰ کو اور نبیوں کو"۔

کیا مسیحیت کی کتابوں اور کلمتہ اللہ کے پیغام کے عالمگیر ہونے کی شہادت اس سے زیادہ زبردست ہو سکتی ہے کہ خود سیدنا مسیح آیت اللہ، روح اللہ، کلمتہ اللہ قرار دیئے جائیں۔ مسیحی کتُب مقدسہ بنی نوع انسان کے لئے عموماً اور اقوام عالم کے پرہیز گاروں کے لئے خصوصاً ہدایت، امام، رحمت، نور اور نصیحت وغیرہ قرار دی جائیں اور مومنین اور مومنات پر ان کے احکام کی تبعیت فرض کر دی جائے۔ چنانچہ سورہ مائدہ میں ہے کہ (**ومن لمه**

یحکمہ بما انزل اللہ فاولئک ھمہ الکافرون)۔ یعنی جو شخص خدا کی نازل کردہ کتاب پر عمل نہیں کرتا وہ کافر ہے۔ امام رازی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ

اس جملہ میں لفظ ”من“ شرط کی جگہ پر واقع ہوا ہے لہذا اس کا اطلاق بالعموم سب پر ہے“۔

اب بھی اگر کوئی مومن مسلمان کلمتہ اللہ کی عالمگیری کو نہ مانے تو دقت سے کہ وہ اس نکتہ کو قرآن سے سمجھ لے ورنہ قرآن اس سے سمجھ لے گا۔

ع

اگر اب بھی نہ سمجھو تو پھر تم کو خدا سمجھے

وَماَ عَليناَ اِلاالبلاَغ